



Ramadan Kareem

رمضان اور جدید مسائل

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب الدخان صاحب مفتاحی داتا برکاتہم

بانی و مہتمم الجامعة الاسلامیہ مسیحیہ علوم رینگلور

مکتبہ مسیحیہ الامت دیوبند رینگلور



رمضان اور جدید مسائل

اضافہ شدہ جدید ایڈیشن

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی و مہتمم الجامعة الاسلامیة مسیح العلوم رینگلور

وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

تعلیق

مولانا یاسین قاسمی

استاذ الجامعة الاسلامیة مسیح العلوم رینگلور

مکتبہ مسیح الامت رینگلور

محفوظ
جميع الحقوق



نام کتاب : رمضان اور جدید مسائل

تالیف : حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دہشت گاہم

بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیحیہ اعلیٰ مدرسہ اسلامیہ
رحمۃ اللہ علیہ مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دہشت گاہم

مرتب : مولانا یاسین صاحب

صفحات : ۲۴۳

تاریخ طباعت : ستمبر ۱۴۳۳ھ

ناشر : مکتبہ مسیحیہ الامت لی یونین و بینکاول

موبائل نمبر : 9634307336 9036701512

ای میل : maktabahmascehnulumat@gmail.com

فہرست مضامین

صفحہ	عناوین
۱۰	الْبَقَرِظَا
۱۱	الْبَقَرِظَا
۱۲	الْبَقَرِظَا
۱۳	الْبَقَرِظَا
۱۴	الْبَقَرِظَا
۱۶	نقشِ اولین
۱۸	مقدمہ طبعہ خامسہ

رؤیتِ ہلال

۲۰	عید و رمضان کی وحدت کا اہتمام
۲۴	دوسرے شہروں سے چاند کی خبر معلوم کرنا
۲۵	تحقیقِ رؤیت کے لیے آلاتِ جدیدہ کا استعمال
۲۷	رؤیتِ ہلال اور آلاتِ جدیدہ
۲۳	اختلافِ مطالع کا مسئلہ

- ۴۵ رویتِ ہلال اور جدید فلکیات
- ۴۶ قدیم فقہاء کا مذہب
- ۴۹ فلکیاتی حساب پر اعتماد، اجماع کے خلاف ہے
- ۵۱ جمہور علماء کے دلائل
- ۵۵ چاند کو رویت پر معلق کرنے کی حکمت
- ۵۶ رویتِ ہلال کے لیے کوئی فلکیاتی حساب منضبط نہیں
- ۵۹ امکانِ رویت سے رویت ثابت نہیں ہوتی
- ۶۱ رویت پر اثر انداز ہونے والے عوامل
- ۶۲ خلاصہ کلام
- ۶۲ ہوائی جہاز سے رویتِ ہلال
- ۶۸ خوردبین و دوربین سے رویتِ ہلال
- ۶۹ ٹی وی (T.V) اور ریڈیو (Radio) سے رویت کی خبر
- ۷۳ اگر غیر مسلم اعلان کرے تو.....
- ۷۳ ٹیلی فون (Telephone) اور وائرلیس (Wireless) کی خبر
- ۷۵ ٹیلی گرام (Telegram) پیجر (pager) اور ٹیلیکس (Telex) کی خبر
- ۷۷ فیکس (Fax) کی خبر
- ۷۸ ای-میل (E-mail) کی خبر
- ۷۹ اخبارات کی خبر
- ۸۰ موجودہ دور میں عدالت کا معیار
- ۸۳ چاند پر رہنے والوں کے لیے رویتِ ہلال کا مسئلہ

- ۸۴ ابراؤد مطلع والے علاقوں کا حکم
- ۸۵ ہندوستان میں سعودی عرب کے مطابق رمضان وعید - ایک علمی و فقہی تبصرہ
- ۹۳ رویت ہلال کمیٹی اگر فتوے کے خلاف کرے تو.....
- ۹۴ رمضان کا چاند اور ریڈیو - پاکستان کی ایک دل چسپ غلطی

===== روزہ =====

- ۹۶ سائرین (Siren) توپ کی آواز، قہقموں کی روشنی پر رمضان وعید
- ۹۹ طویل الاوقات علاقوں میں روزے کے اوقات
- ۱۰۲ ایک ملک سے دوسرے ملک کے سفر سے روزہ وعید میں فرق
- ۱۰۶ روزے میں انجکشن (Injection) کا حکم
- ۱۱۷ روزہ میں انجکشن سے متعلق ایک قیمتی تحریر
- ۱۲۱ روزے میں دوا کا زبان کے نیچے رکھنا
- ۱۲۲ روزے میں خون یا گلوکوز (Glucose) چڑھانے کا حکم
- ۱۲۵ روزے میں آپریشن (Operation)
- ۱۲۸ روزے کی حالت میں بدن سے خون نکالنا
- ۱۳۰ روزے میں عورت کی شرم گاہ میں لوپ (Loop) داخل کرنا
- ۱۳۱ مانع حیض دوائیوں کا رمضان میں استعمال
- ۱۳۲ روزے کی حالت میں مصنوعی دانت کا استعمال
- ۱۳۲ روزے کی حالت میں دانت نکلوانا
- ۱۳۴ روزے میں بیڑی، سگریٹ (Cigarette) حقے کا استعمال

- ۱۳۶ روزے میں اگر بتی، عود وغیرہ کا دھواں سونگھنا
- ۱۳۷ موٹروں کا دھواں اور راستے کا غبار
- ۱۳۸ روزے میں نسوار (ناس) سونگھنے کا حکم
- ۱۳۹ وکس، امرتجن و غیرہ ادویہ کے استعمال کا حکم
- ۱۴۰ روزے میں انہیلر (Inhaler) کا استعمال
- ۱۴۳ روزے میں بھپارے کے ذریعے دوا
- ۱۴۳ مقعد میں دوائی یا آلات کا روزے کی حالت میں داخل کرنا
- ۱۴۴ پیشاب کے راستے سے دوا یا کوئی آلہ داخل کرنا
- ۱۴۹ روزے میں منجن اور ٹوتھ پیسٹ (Tooth Paste) کا استعمال
- ۱۵۱ روزے میں پرفیوم (Perfume) اور دیگر خوشبوؤں کا استعمال
- ۱۵۱ بے ہوش کرنے اور اعضا کو سن کرنے سے روزے پر اثر
- ۱۵۴ روزے کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ یا دوا ڈالنا
- ۱۶۰ روزے میں آنکھ میں لینس (Lense) لگانا جائز ہے
- ۱۶۰ ترک روزے میں غیر مسلم یا فاسق ڈاکٹر کے قول پر عمل
- ۱۶۲ بہ حالت روزہ کانوں میں دوا ڈالنا
- ۱۶۵ روزے میں (Nebulizer-pump) کا استعمال
- ۱۶۶ گیس (Gas) سے روزے پر اثر
- ۱۶۷ روزے میں دوائی غرغہ کرنے کا حکم
- ۱۶۷ روزے میں آکسیجن (Oxygen)
- ۱۶۸ طباح کو روزے کی حالت میں سالن وغیرہ چکھنا

- ۱۶۹ روزے میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل
- ۱۷۱ آرام دہ سواریوں کے ذریعے سفر میں روزہ
- ۱۷۳ رمضان میں دن میں ہوٹل چلانا
- ۱۷۵ روزے میں ڈائلیسس (Dialysis) کا حکم
- ۱۷۸ روزے میں ”انیم“ (Enema) کا حکم
- ۱۷۹ دائم المرض کا حکم
- ۱۸۲ سرخی (Lip stick) کا حکم
- ۱۹۲ بواسیری مسوں پر دوا لگانے اور کانچ تر کر کے چڑھانے کا حکم
- ۱۸۳ سحری سعودی میں، افطار ہندوستان میں
- ۱۸۴ آنکھ، کان، ناک کے قطرات (Drops) کا حکم
- ۱۸۵ روزے میں ہونٹوں یا چہرے وغیرہ پر کریم (Cream) کا استعمال
- ۱۸۶ مستقل طور پر ڈرائیونگ سے روزہ چھوڑنے کا حکم
- ۱۸۷ ہوائی جہاز میں سحری و افطار
- ۱۸۹ ہوائی جہاز میں سوار اور بلند عمارات پر رہنے والوں کے لیے افطار کا وقت
- ۱۹۰ امتحانات کی وجہ سے روزے کا ترک
- ۱۹۱ محنت طلب کام کی وجہ سے ترک روزہ
- ۱۹۳ معدے یا قلب وغیرہ میں تشخیص یا علاج کے لیے نیوب (Tube) داخل کرنا

اعتکاف

- ۱۹۶ مسجد کی پہلی و دوسری منزل پر اعتکاف

۱۹۷	مسجد کے تہہ خانے میں اعتکاف
۱۹۷	مسجد کے اوپر اور نیچے کی منزلوں سے آکر جماعت میں شامل ہونا
۱۹۹	معتکف کا اذان دینے باہر نکلنا
۲۲۰	مسجد کے بیت الخلا ہوتے ہوئے قضائے حاجت کے لیے گھر جانا
۲۰۲	معتکف کا گرمی اور جمعہ کے غسل کے لیے باہر نکلنا
۲۰۴	معتکف کا مسجد میں پان کھانا
۲۰۴	معتکف کا مسجد میں بیڑی، سگریٹ، حقہ استعمال کرنا
۲۰۶	بیڑی، سگریٹ، حقے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا
۲۰۷	ہر محلے میں اعتکاف ”سنت“ ہے
۲۰۸	معتکف کا حجامت بنوانا
۲۰۹	معتکف کا ڈاڑھی بنوانا
۲۱۰	حالاتِ اعتکاف میں بیمار ہو جائے تو؟
۲۱۱	روزے کے بغیر اعتکاف

تراویح

۲۱۴	تراویح پر اجرت کا مسئلہ
۲۱۸	نابالغ کی اقتدا، تراویح میں
۲۲۰	ٹیپ ریکارڈ (Tape recorder) کے ذریعے تراویح
۲۲۰	ٹی۔وی (T.V) سے تراویح کی نماز
۲۲۲	گھروں میں باجماعت تراویح پڑھنا
۲۲۴	تراویح کے لیے عورتوں کا مسجد میں آنا

== صدقہ فطر و فدیہ ==

- ۲۲۸ صدقہ فطر کی مقدار گرام (Gram) کے حساب سے
- ۲۳۱ روزے کے فدیے کی مقدار
- ۲۳۲ صدقہ فطر سیدوں کو دینا
- ۲۳۹ صدقہ فطر میں نوٹ دینا
- ۲۴۱ صدقہ فطر میں کنٹرول ریٹ کا (Control Rate) اعتبار نہیں
- ۲۴۲ جہاں اشیائے منصوصہ نہ ملتی ہوں، وہاں صدقہ فطر کس طرح ادا کریں؟



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

التقریظ

فقہ العصر، قاضی القضاۃ، حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ

”مولانا شعیب اللہ مفتاحی بنگلوری“، اس وقت ملک کے ممتاز علما اور جید الاستعداد فضلا میں سے ہیں، جنہیں اللہ نے فہم دین اور تفقہ؛ نیز ذوق تحقیق کی دولت عطا فرمائی ہے، ”مجمع الفقہ الاسلامی“ کے مذاکرات میں، ہم ان کے مقالات و بحوث سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی مولانا موصوف کی تصنیف ”رمضان اور جدید مسائل“ نظر سے گزری، اکثر و بیشتر جدید مسائل، جن سے آج روزہ دار دوچار ہوتے ہیں، ان سب پر موصوف نے بحث کی ہے اور مشکلات کا حل نکالا ہے، فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

علمی مسائل اور اجتہادی آراء میں اختلاف نظر و فکر ضروری ہے؛ لیکن اپنی رائے پر اصرار اور ضد نہ ہو، حق کی تلاش ہو، تو یہ حسن ہے؛ مجھے خوشی ہے کہ مولانا موصوف نے جدید مسائل کے صحیح حل کے لیے صحیح راہ اختیار کی۔

میں توفیق مزید کی دعا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس کتاب سے مسلمانوں کو اور اہل علم کو فائدہ پہنچے گا، اِنْ شَاءَ اللّٰہ۔

فقط

(حضرت اقدس مولانا) مجاہد الاسلام قاسمی (رحمۃ اللہ)

نزہیل، دارالعلوم سبیل الرشاد، بنگلور

بتاریخ: ۵/ مارچ ۱۹۹۹ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

التَّقْرِیْظُ

شیخ الحدیث حضرت علامہ رفیق احمد صاحب رحمۃ اللہ

خلیفہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ

رسالہ ”رمضان اور جدید مسائل“ مولفہ عزیزم مولانا محمد شعیب اللہ صاحب مفتاحی، بنگلوری، مہتمم ”مدرسہ مسیح العلوم، بنگلور“ کا مسودہ دیکھا، تفصیل سے مطالعے کا موقعہ تو نہ ملا؛ البتہ چیدہ چیدہ مقامات نظر سے گزرے، رسالہ بہت خوب ہے اور عالم نوجوان نے بڑی سلیقہ مندی اور تخلیق و کاوش سے کام لیا ہے، امید کرتا ہوں کہ نافع اور مفید ہوگا، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو قدر دانی اور حوصلہ افزائی کا جذبہ عطا فرمائیں۔

رسالے کا امتیاز یہ ہے کہ جدید مسائل پر عمدہ تحقیقات پیش کی گئی ہیں اور نظر غائر سے مطالعہ کیا جائے، تو سکونِ قلب اور اطمینانِ شرعی حاصل ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مفید اور نافع فرمائیں۔

فقط

(حضرت علامہ رفیق احمد صاحب)

وارِدِ حال، بنگلور

بتاریخ: ۷/ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ

مطابق ۱۶/ مارچ ۱۹۸۹ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

التقریظ

حضرت مولانا مفتی مہربان علی صاحب رحمۃ اللہ

استاذ مدرسہ امداد الاسلام، ہر سولی (یوپی)

زیر نظر کتاب ”رمضان اور جدید مسائل“ اپنے موضوع پر مفید، موثر اور تحقیقی کتاب ہے، بندہ نے اس کا مسودہ اضافے کے بعد دیکھا ہے، محترم ”مولانا شعیب اللہ صاحب“ کے دینی اور تحقیقی دیگر رسائل و کتب کی طرح ان شاء اللہ یہ کتاب بھی پسندیدہ نگاہوں سے دیکھی اور پڑھی جائے گی، اللہ تعالیٰ شرور و فتن سے حفاظت فرمائے اور موصوف کو علمی، عملی، تقریری، ظاہری، باطنی، ہر نوع کی ترقیات سے نوازتا رہے، صدق و صفا کی دولت سے اللہ تعالیٰ ہر صاحب ایمان کو حصہ عطا فرمائے، کفر کی ظلمات ختم ہوں، ایمانی اور اسلامی شعاؤں سے پورا عالم منور ہو جائے۔

فقط

(حضرت مولانا) مہربان علی بڑو توکی (رحمۃ اللہ)

بتاریخ: ۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، چہار شنبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

النَّفَرِظَاتُ

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی رحمۃ اللہ علیہ

(سابق استاذ دارالعلوم دیوبند)

حامداً و مصلیاً:

عزیزم، مکرم ”جناب مولانا مفتی محمد شعیب اللہ صاحب مفتاحی“ مد فیضہ، مہتمم مدرسہ ”مسیح العلوم“، بنگلور ایک جید الاستعداد عالم ہیں، تالیف اور تصنیف کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، اخبارات اور جراند میں ان کے مفید اور تحقیقی مضامین برابر چھپتے ہیں اور متعدد کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں اور لوگ ان سے بھرپور استفادہ کر رہے ہیں، ”کلمہ حق“ مولانا موصوف کا امتیازی وصف ہے، ”رمضان اور جدید مسائل“ مولانا کی ایک وقیع اور معلومات افزا تصنیف ہے، اس میں بہت ہی اہم اور ضروری مسائل جمع کر دیے ہیں، یہ کتاب ہر گھر میں رہنے کے قابل ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبولِ تام عطا فرمائے، (آمین)۔

(حضرت مولانا) عبدالرحیم بستوی (رحمۃ اللہ علیہ)

خادم تدریس، دارالعلوم دیوبند (یوپی)

بتاریخ: ۱۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

النَّفَرِیْظُ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہ

صدر مدرس دارالعلوم سمیل السلام، حیدرآباد

شریعت اسلامی کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی جامعیت اور ابدیت ہے، زندگی کا کوئی شعبہ نہیں کہ اسلام نے اس کو اپنے نور ہدایت سے محروم رکھا ہو، عبادات ہو یا معاملات، شخصی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، اسلام نے کہیں بھی انسانیت کو اندھیرے میں نہیں رکھا، اسی طرح اسلام ایک عہد اور ایک دور کا مذہب نہیں؛ بل کہ وہ قیامت تک انسان کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا، اس نے انسانی زندگی کے لیے ایسے اصول و قواعد مقرر کر دیے ہیں کہ ہر عہد میں اس کی تطبیق کے ذریعے مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے اور کیا جاتا رہا ہے۔

پھر ہمارے فقہائے کرام نے ذہانت و بالغ نظری اور فکر و سما کے ذریعے قرآن و حدیث سے اخذ و استنباط اور فکر و اجتہاد کا جو عظیم سرمایہ ہدایت کے لیے چھوڑا ہے، وہ خود بھی خضر طریق کا درجہ رکھتا ہے اور کم ایسے مسائل ہوں گے کہ جن کی عقدہ کشائی اس عظیم علمی سرمایے سے نہ ہو پاتی ہو؛ اس لیے علما کا فریضہ منصبی ہے کہ وہ ہر عہد کے نئے پیدا شدہ مسائل کو حل کریں اور ہر زمانے میں علما و اربابِ افتا اس فریضے سے عہدہ برآ ہوتے رہے ہیں۔ عصر حاضر نے جو نئے مسائل پیدا کیے ہیں، ان میں بہت سے مسائل وہ ہیں، جو روزہ و رمضان سے متعلق ہیں، یوں تو اس

موضوع پر فتاویٰ اور احکام کے ذیل میں مختلف اہل علم نے قلم اٹھایا ہے؛ لیکن ان مسائل کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ کوئی صاحب علم مستقل طور پر اس موضوع پر قلم اٹھائے اور اس کو اپنی بحث اور گفتگو کا موضوع بنائے۔ مجھی ”مولانا محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی“ (مہتمم مدرسہ مسیح العلوم، بنگلور) کو اللہ جزائے خیر دے کہ انہوں نے یہ قیمتی تحریر خاص اس موضوع پر مرتب کی ہے، جس میں رؤیت ہلال، طویل الاوقات علاقوں میں روزہ، نماز اور روزے کی نسبت سے اس عہد میں پیدا ہونے والے مسائل پر بصیرت مندانہ گفتگو کی گئی ہے۔

یوں تو خصوصیت سے نئے مسائل میں اختلاف رائے کی گنجائش رہتی ہے اور ممکن ہے کہ بعض اہل علم کو بعض مسائل میں ان کے نقطہ نظر سے اختلاف ہو؛ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مصنف نے اخلاص اور محنت کے ساتھ ان احکام پر بحث کرنے اور نتائج اخذ کرنے کی سعی کی ہے اور ہر جگہ سلف صالحین کے نقش قدم کو اپنے لیے نقش پیروی بنایا ہے۔

فجزاه اللہ خیر الجزاء، وبارک اللہ فی علمہ ونفع بہ المسلمین۔
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول عام و تام اور مؤلف گرامی کو مزید علمی کاموں کی توفیق عطا فرمائے اور علم و قلم کا یہ مسافر ہمیشہ تعب و تھکن سے نا آشنا رہے،
وباللہ التوفیق وهو المستعان۔

(حضرت مولانا) خالد سیف اللہ رحمانی (مدظلہ العالی)

خادم حدیث وفقہ دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد

نفسِ اولیں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم: أما بعد:

دورِ حاضر کے جدید اکتشافات و تحقیقات، نئے نئے آلات و ایجادات اور حیرت افزا حالات و واقعات نے جو بے شمار مسائل پیدا کر دیے ہیں، ان میں سے بہت سے مسائل وہ ہیں، جن کا تعلق دین کے ایک اہم شعبے یعنی ”فقہ“ سے ہے، ان مسائل نے علمائے اسلام کو ان کے حل کرنے کی دعوت دے دی ہے۔

یہ علم و تحقیق کی ترقی و ترویج اگر ایک طرف انسانیت کے لیے ایک تحفہِ نادرہ اور نعمتِ غیر مترقبہ ہے، تو دوسری طرف دینِ اسلام کی حقانیت و صداقت، اس کی علمیت و معقولیت کو آشکارا کرنے کی ایک خدائی تدبیر ہے؛ کیوں کہ جوں جوں ایسے مسائل سامنے آکر اسلامی نقطہٴ نظر سے حل ہوتے جائیں گے، اسلام کی صداقت و حقانیت کا پرچم اتنی ہی جرأت کے ساتھ بلند کیا اور لہرایا جاسکے گا اور اس کی علمیت و معقولیت اسی قدر صفائی سے آشکارا ہوگی۔

لہذا نئے نئے مسائل کے شرعی و فقہی حل کی طرف توجہ دینا، ایک اہم ترین اسلامی فریضہ ہے اور دینی ضرورت ہے؛ چنانچہ ہر زمانے کے علما نے نہ صرف یہ کہ اس کام کی اہمیت اور ذمہ داری محسوس کی؛ بل کہ اس کو روبہ عمل لانے کی بھی بھرپور کوشش فرمائی اور ان جدید مسائل پر اسلامی نقطہٴ نظر سے غور و فکر کر کے ان کا شرعی و فقہی حل پیش کیا۔ الحمد للہ اب تک جدید مسائل پر بہت بڑا ذخیرہ فقہی و شرعی نقطہٴ نظر سے تیار ہو چکا ہے۔

زیرِ نظر رسالہ بھی اسی سلسلے کی ایک حقیر کڑی ہے، جس میں صرف ان مسائل

کوزیر بحث لایا گیا ہے، جن کا تعلق رمضان المبارک سے ہے؛ مثلاً: رویتِ ہلال، روزہ، تراویح، اعتکاف، صدقہ فطر و فدیہ؛ ان ابواب سے متعلق جدید مسائل سے اس میں بحث کی گئی ہے۔

یہ رسالہ پہلی دفعہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا، اب دوبارہ نظر ثانی کے بعد اور متعدد مقامات کی توضیح اور متعدد مسائل کے اضافے کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، اس رسالے میں میں نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ (۱) ہر مسئلے میں قدیم فقہاء کے کلام سے کوئی صریح جزئیہ مل جائے یا اس مسئلے کی نظیر مل جائے۔

(۲) دوسرے نمبر پر اکابر علماء، جیسے حضرت تھانوی، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کی علمی و فقہی تحقیقات سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

(۳) جہاں کوئی واضح کلام ان حضرات کا نہ مل سکا، وہاں مستند فقہی نظام سے مسئلے کا استنباط کیا گیا ہے اور حتی الامکان احتیاط کے پہلو کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

(۴) بعض بعض مسائل میں معاصر علماء کی آراء سے اختلاف بھی کیا ہے اور اس کے دلائل بھی وضاحت سے پیش کر دیے گئے ہیں؛ مگر چوں کہ یہ اجتہادی مسائل ہیں؛ اس لیے کسی کو دوسری رائے صحیح معلوم ہو، تو وہ بلاشبہ اپنی رائے پر عمل کر سکتا ہے اور اگر میری رائے کی غلطی واضح ہو جائے، تو بندے کو اپنی رائے پر اصرار بھی نہ ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو مفید و مقبول بنائے اور میرے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین۔ فقط

محمد نعیم ربیعہ عفی عنہ

تاریخ: ۵/ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ طبعہ خامسہ

رسالہ ”رمضان اور جدید مسائل“ کی یہ پانچویں اشاعت ہے، اس اشاعت میں بعض مسائلِ جدیدہ کا اضافہ کیا گیا ہے، جو وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہے؛ نیز بعض مسائل کے بارے میں پہلی رائے سے رجوع کرتے ہوئے، دوسری رائے اختیار کی گئی ہے۔

مولانا ”یاسین صاحب“ استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور نے اس کے فقہی نصوص کو از سر نو دیکھ کر تصحیح بھی کی ہے اور مزید حوالجات سے مزین بھی کیا ہے؛ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور

۱۲/ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ

مطابق ۲۴ دسمبر ۲۰۱۵ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رُویّتِ ہلال

اسلام میں رمضان المبارک کی ابتدا و انتہا کو چوں کہ رُویّتِ ہلال پر موقوف رکھا گیا ہے، اس لیے سب سے پہلے اسی کے متعلق مسائل کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے، رُویّتِ ہلال کے جن مسائل کو یہاں زیرِ بحث لایا جائے گا، وہ دو قسم کے ہوں گے: ایک وہ جو نئے حالات کی وجہ سے رونما ہوئے ہیں، دوسرے وہ، جن کو نئے آیات نے جنم دیا ہے۔

عید و رمضان کی وحدت کا اہتمام

ذرائعِ ابلاغ کی فراوانی اور خبر رسانی کی سہولت و آسانی نے، عام لوگوں میں عموماً اور جدید تعلیم یافتہ طبقے میں خصوصاً اس بات کا رجحان پیدا کر دیا ہے کہ ساری دنیا میں عید و رمضان کے ایام میں وحدت ہو، کہ ایک ہی دن سب جگہ عید ہو اور رمضان کی ابتدا اور انتہا میں بھی ہر جگہ توافق ہو اور اگر ساری دنیا میں نہیں تو کم از کم ایک ملک کے تمام علاقوں اور شہروں میں یہ وحدت پائی جائے۔

اس خیال کے حامی لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں خبر رسانی کی جو سہولتیں جدید آیات کی متنوع قسموں نے پیدا کر دی ہیں، ان کے پیشِ نظر آج اس وحدت کا اہتمام کچھ مشکل نہیں؛ کیوں کہ ایک ملک کے ایک کونے کی خبر دوسرے کونے میں؛ بل کہ دنیا کے ایک کونے کی خبر دوسرے کونے میں بہت جلد اور بہ آسانی پہنچائی جاسکتی ہے۔

یہ خیال بہ جائے خود صحیح ہے اور خود اسلام میں بھی ایک گونہ وحدت واتحاد مطلوب ہے؛ البتہ اس سلسلے میں دو باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

ایک تو یہ کہ کیا پوری دنیا میں ایک ہی دن عید و رمضان ہونے کا مسئلہ ممکن العمل بھی ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں؛ کیوں کہ مشرق و مغرب کے مابین فاصلوں کی وجہ سے ایک جگہ جمعہ ہوتا ہے، تو دوسری جگہ ابھی جمعرات کا دن ہوتا ہے اور تیسری جگہ ہفتے کا دن شروع ہو چکا ہوتا ہے؛ ان حالات میں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ رمضان و عید میں وحدت ہو؟ اس لیے بس اس حد تک وحدت کا اہتمام کیا جانا چاہیے، جہاں تک کہ وحدت کا امکان ہو، اس سے زیادہ کاوش فضول اور بے کار ہے۔

دوسری بات یہ کہ اسلام میں عید و رمضان کے ایک ہی دن ہونے کی کچھ خاص اہمیت نہیں ہے کہ اسی کے پیچھے اپنی تمام کوششیں لگا دی جائیں؛ اگر وحدت میسر آ جائے تو ٹھیک؛ ورنہ اس میں رتی برابر کوئی قباحت نہیں کہ متعدد جگہوں پر متعدد ایام میں عید و رمضان ہو۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اگرچہ آج کل کی طرح خبر رسائی کی اتنی سہولتیں نہ تھیں اور اس وجہ سے پورے ملک کی خبروں کو جمع کرنا اور معلوم کرنا آسان نہ تھا، بل کہ ممکن بھی نہ تھا؛ مگر اس میں کیا شک ہے کہ مدینے کی قریبی آبادیوں و بستیوں سے چاند کی خبر معلوم کرنا چنداں مشکل کام نہ تھا؛ لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی اس کا اہتمام نہیں فرمایا؛ کیا یہ اس بات کی کھلی دلیل نہیں کہ اس کا اہتمام کچھ ضروری نہیں اور نہ خاص اہمیت کا حامل ہے؟

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے کا یہ واقعہ امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح میں درج کیا ہے کہ حضرت کریم رضی اللہ عنہ کو حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے اپنے کسی کام سے شام روانہ

کیا، وہاں حضرت کریم ﷺ نے رمضان کا چاند جمعہ کے دن دیکھا اور لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے روزہ بھی رکھا، پھر رمضان کے آخر میں حضرت کریم ﷺ مدینہ واپس آئے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے چاند کے بارے میں پوچھا؛ انہوں نے عرض کیا کہ جمعہ کی شب میں دیکھا گیا، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ نے بھی دیکھا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں میں نے بھی دیکھا اور دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا اور روزہ رکھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا، اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے تو بفتے کی رات چاند دیکھا ہے؛ اس لیے ہم تو برابر روزہ رکھیں گے، جب تک کہ تیس دن پورے نہ ہو جائیں یا ہم چاند دیکھ لیں، حضرت کریم ﷺ نے کہا کہ کیا آپ کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا چاند دیکھنا اور ان کا روزہ رکھنا کافی نہیں ہے؟ فرمایا کہ نہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔^(۱)

(۱) عن کریم ﷺ أن أم الفضل بنت الحارث رضي الله عنها بعثته إلى معاوية بالشام قال: فقدمت الشام، فقضيت حاجتها، واستهل علي رمضان وأنا بالشام، فرأيت الهلال ليلة الجمعة، ثم قدمت المدينة في آخر الشهر، فسألني عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، ثم ذكر الهلال، فقال: متى رأيت الهلال؟ فقلت: رأيته ليلة الجمعة، فقال: أنت رأيته؟ فقلت: نعم! وراة الناس، وصاموا وصام معاوية رضي الله عنهما، فقال: لكنا رأيناه ليلة السبت فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين أو نراه، فقلت: أو لا تكفي برؤية معاوية وصيامه؟ فقال: لا! هكذا أمرنا رسول الله صلي الله عليه وسلم.

(المسلم: ۵۲۸، الرقم: ۱۰۸۷، الترمذي: ۷۱/۲، الرقم: ۶۹۳، قال الترمذي: حديث ابن عباس حديث حسن، صحيح، غريب، أبو داود: ۲۶۶، الرقم: ۲۳۳۲، السنن الكبرى للنسائي: ۳/۹۷، الرقم: ۲۳۳۲)

اس واقعے میں اگرچہ فقہی نقطہ نظر سے کئی احتمالات ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے شام کی روایت کو اس لیے تسلیم نہ کیا ہو کہ مدینہ اور شام کے مطلع میں فرق ہے یا اس لیے کہ شہادت دینے والے تنہا حضرت کریب رضی اللہ عنہ تھے اور ایک آدمی کی گواہی عید کے چاند میں معتبر نہیں ہوتی؛ مگر اس سے اتنا ضرور معلوم و ثابت ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کے عہد میں عید کی وحدت کا اہتمام نہیں تھا؛ حال آں کہ اہل مدینہ کے لیے کچھ مشکل نہ تھا کہ شام سے خبر یا شہادت حاصل کرتے؛ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں اس کی خاص اہمیت نہیں ہے۔

بعض حضرات یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس زمانے میں مختلف جگہوں کی خبروں کو معلوم کرنا ممکن نہ تھا اور اس کے لیے وسائل اور ذرائع موجود نہ تھے؛ اس لیے انہوں نے اس کا اہتمام نہ کیا، اس کا جواب حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

”اس عہد مبارک میں اگر ہوائی جہاز، ریڈیو اور ٹیلیفون نہ تھے، تو تیز رفتار سائڈ نیاں موجود تھیں، جو ایک رات دن میں دور تک کی خبریں؛ بل کہ شہادتیں! اسکے تھیں؛ مگر حکیم الحکما صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی پسند نہ کیا کہ سائڈ فی سوار دوڑا کر مکے سے مدینہ یا رابغ کی خبریں بہم پہنچائیں، شام اور مصر فتح ہونے کے بعد کوئی مشکل نہ تھی کہ وہاں کی شہادتیں ہر وقت سائڈ فی سواروں کے ذریعے مدینہ طیبہ میں جمع کر لی جائیں؛ مگر کہیں نظر سے نہیں گزرا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا اہتمام فرمایا ہو۔“ (۱)

حاصل یہ کہ رمضان و عید کی وحدت و یکسانیت کے لیے زیادہ کوشش کرنے کی

(۱) آلات جدیدہ کے شرعی احکام: ۱۷۷

کوئی ضرورت نہیں اور نہ یہ اس قدر اہتمام کی چیز ہے؛ ہاں! غلو میں پڑے بغیر اس کا اس حد تک اہتمام کر لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ موجودہ وسائل شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس کا ساتھ دے سکیں۔

دوسرے شہروں سے چاند کی خبر معلوم کرنا

اگر چاند نظر نہ آئے، تو دوسرے شہروں سے چاند کی خبر معلوم کرنا کیا درجہ رکھتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ واجب اور ضروری نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خبر منگوانے اور معلوم کرنے کا کوئی اہتمام نہیں فرمایا؛ حال آں کہ اس زمانے میں - جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا - ان کے مناسب حال ذرائع و وسائل موجود تھے، یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ دوسرے علاقوں اور شہروں سے چاند کی خبر معلوم کرنا ضروری و واجب نہیں ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عن أبي هريرة رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

ﷺ: صُومُوا لِرُؤْيَيْهِ وَأَفْطَرُوا لِرُؤْيَيْهِ، فَإِنْ

غُيِبَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمَلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ» (۱)

ترجمہ: چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ افطار

کرو، پس اگر چاند تم پر پوشیدہ ہو جائے، تو تیس دن پورے کرو۔

اس حدیث میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ دوسری جگہوں سے چاند کی خبر حاصل کرنا ضروری نہیں؛ کیوں کہ اس میں چاند کے پوشیدہ و مستور رہ جانے کی

(۱) البخاری: ۲۵۳، الرقم: ۱۹۰۹، واللفظ له، المسلم: ۵۴۶، الرقم: ۱۰۸۱، السنن

الكبرى للنسائي: ۱۰۰/۳، الرقم: ۲۳۳۹، الدارمی: ۱۰۴۹، الرقم: ۱۷۷۷

صورت میں ہمیں تیس دن پورے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ اس صورت میں دوسری جگہوں سے تحقیق کرو؛ اگر یہ شرعاً واجب ہوتا، تو ضرور اس کا حکم دیا جاتا۔

حکیم الامت فقیہ المملکت مجدد اعظم مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ اسی سلسلے کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”چوں کہ کوئی حکم بلا دلیل ثابت نہیں ہوتا اور اس کے (یعنی دوسری جگہ سے چاند کی خبر معلوم کرنے کے لیے) وجوب کی کوئی دلیل نہیں؛ لہذا یہ امر واجب نہیں۔“ (۱)

راقم کہتا ہے کہ یہاں صرف یہ نہیں کہ دلیل ہی نہیں ہے؛ بل کہ۔ اوپر کی وضاحت کے مطابق۔ واجب نہ ہونے پر دلیل قائم ہے؛ لہذا یہ واجب نہیں ہے؛ البتہ یہ جائز ضرور ہے؛ کیوں کہ ناجائز ہونے پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے؛ لہذا حدود میں رہتے ہوئے اس کی اجازت ہے۔

تحقیقِ رویت کے لیے آلاتِ جدیدہ کا استعمال

رویتِ ہلال کی تحقیق کے لیے آلاتِ جدیدہ جیسے ریڈیو (Radio) ٹیلی ویژن (Television) وائرلس (Wireless) اور ٹیلی فون (Telephone) وغیرہ کا استعمال کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں، جو اللہ نے بندوں کے نفع کے لیے پیدا فرمائی ہیں، ان سے کام لینا اور فائدہ اٹھانا برا نہیں؛ بل کہ جذباتِ شکر کے ساتھ ان سے انتفاع کرنا پسندیدہ بات ہے؛ لیکن یہ لحاظ رہے کہ خدا کی ان نعمتوں کو خدا کی مخالفت و نافرمانی، معصیت

اور ناشکری میں استعمال نہ کیا جائے؛ لہذا تحقیقِ روایتِ ہلال کے لیے بھی آلاتِ جدیدہ سے ضرور فائدہ اٹھایا جائے؛ مگر کسی شرعی ضابطے اور اصول کو توڑا نہ جائے؛ مثلاً: روایتِ ہلال کی تحقیق میں ان آلات و وسائل سے حاصل ہونے والی وہ خبر تو قابلِ قبول ہو سکتی ہے، جو رمضان کے چاند کے بارے میں ہو اور جو خبر عید کے بارے میں ہو، وہ معتبر نہ ہوگی؛ کیوں کہ اس کے لیے شہادت ”گواہی“ ضروری ہے اور ان آلات کی خبر ”خبر“ تو ہے، ”شہادت“ نہیں ہے۔ (۱)

لہذا اس پر اصرار کرنا کہ اس خبر کو یہاں بھی قبول کیا جائے، یہ شرعی اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے خدا کی نافرمانی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ان آلات کو کام میں لانا اور ان سے فائدہ اٹھانا، اس وقت تک جائز ہے، جب تک کہ شرعی و اسلامی اصول مجروح نہ ہوں۔

مگر یاد رہے کہ ان آلات کے ذریعے روایت کی تحقیق کرنا شرعاً واجب و ضروری نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس کے واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں؛ بل کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے زمانے کے وسائل و ذرائع سے بھی تحقیقِ روایت کا اہتمام نہیں فرمایا؛ حال آں کہ اس وقت یہ ممکن تھا کہ ”سائڈ فی سواروں“ کو دوڑا کر مدینہ کے قریب کی بستیوں اور آبادیوں سے روایت کی تحقیق کی جائے۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کے وسائل کو روایت کی تحقیق کے لیے استعمال میں لانا شرعاً ضروری نہیں ہے؛ صرف یہ جائز ہے جب کہ حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ کیا جائے۔

(۱) ان مسائل کی تحقیق و تفصیل آگے آرہی ہے

رُویّتِ ہلال اور آلاتِ جدیدہ

دورِ حاضر میں آلاتِ جدیدہ کی بھرمار ہے، انہیں میں وہ آلات بھی ہیں جو دور کی چیزوں کو قریب اور چھوٹی چیزوں کو بڑی بنا کر پیش کرتے ہیں؛ نیز فضا میں اڑ کر، ان اشیاء کا مشاہدہ و معائنہ کر دینے والے آلات بھی موجود و مروج ہو گئے ہیں، جو نیچے سے قطعی طور پر نظر نہیں آ سکتے، پھر ان میں تنوع بھی ہے، جو بیان سے باہر ہے۔ یہ دیکھ کر یہ سوال پیدا ہونا قدرتی بات ہے کہ رُویّتِ ہلال میں ان چیزوں سے مدد لینا شرعاً کیا درجہ و حیثیت رکھتا ہے؟

یہ تو واضح ہے کہ رُویّتِ ہلال کے لیے، ان جدید آلات (مثلاً: دوربین، خورد بین، ہوائی جہاز) کا استعمال واجب و ضروری نہیں ہے، ضروری تو صرف اس قدر ہے کہ فطری اصول کے مطابق چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے، اگر نظر آ جائے، تو ٹھیک؛ ورنہ مہینے کو تیس دن کا تسلیم کر لیا جائے۔

چنانچہ حدیث میں واضح الفاظ میں ارشاد ہے:

فَإِنْ غَمَّ عَلَيْكُمْ ، فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ . (۱)

ترجمہ: پس اگر چاند تم پر پوشیدہ ہو جائے تو تیس دن پورے کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ چاند نظر نہ آئے، تو ہم صرف اس بات کے مکلف ہیں کہ تیس دن پورے کر لیں؛ پہاڑوں پر چڑھ کر، ہوائی جہاز پر اڑ کر یا دوربین یا خورد بین کی مدد سے، چاند دیکھنے کے مکلف نہیں ہیں اور نہ ہی ریاضی و فلکیات کے حسابات و علوم سے چاند معلوم کرنے کے مکلف ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث کو پیش کر کے حضرت

(۱) البخاری: ۲۵۳، الرقم: ۱۹۰۹، واللفظ له، المسلم: ۵۲۶، الرقم: ۱۰۸۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۰/۳، الرقم: ۲۳۳۹، الدارمی: ۱۰۴۹، الرقم: ۱۷۲۷۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

یعنی تمہاری آنکھیں اس کو نہ دیکھ سکیں، تو پھر تم اس کے مکلف نہیں کہ ریاضی کے حسابات سے چاند کا وجود اور پیدائش معلوم کرو اور اس پر عمل کرو، یا آلاتِ رصدیہ اور دوربینوں کے ذریعے اس کا وجود دیکھو؛ بل کہ فرمایا: ”فإن غم علیکم، فأكملوا العدة ثلاثین“ یعنی اگر تم پر مستور ہو جائے، تو تیس دن پورے کر کے مہینہ ختم سمجھو۔ (۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”بل ظاهر السياق يشعر بنفي تعليق الحكم بالحساب أصلاً، و يوضحه قوله في الحديث الماضي: ”فإن غم علیکم فأكملوا العدة ثلاثین“ ولم يقل فاسئلوا أهل الحساب.“ (۲)

ترجمہ: حدیث (جس میں ہے کہ ہم امی امت ہیں) اس کا ظاہر سیاق (چاند کے) حکم کے حساب پر معلق ہونے کی بالکافیہ نفی کرتا ہے اور اس کی توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کرتا ہے: ”اگر تم پر چاند مستور ہو جائے، تو تیس دن پورے کر لو“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ: اہل حساب سے پوچھو۔

معلوم ہوا کہ روایت ہلال کے لیے جدید آلات اور ریاضی کے حسابات سے مدد لینا شرعاً ضروری نہیں ہے، اسی طرح یہ کوئی پسندیدہ و مستحب بات بھی نہیں ہے، زیادہ

(۱) روایت ہلال: ۱۲

(۲) فتح الباری: ۱۶۳/۴

سے زیادہ۔ بہ شرطے کہ حدودِ شرعیہ سے آگے نہ بڑھا جائے۔ مباح و جائز ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ زمانہ رسالت و دورِ صحابہ میں جدید آلات اور ریاضی کے حسابات کا سلسلہ نہ تھا کہ اس سے مدد لی جاتی اور آج یہ سب چیزیں فراوانی و ترقی کے ساتھ موجود ہیں؛ لہذا ان سے مدد لینا چاہیے؛ کیوں کہ ریاضی کے فنون عہدِ رسالت و صحابہ میں؛ بل کہ اس سے بہت پہلے دنیا میں رائج تھے اور اس وقت مختلف مقامات پر بڑی بڑی رصدگاہیں بھی قائم تھیں۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

”علم ریاضی (ASTRONOMY) بہت قدیم ترین زمانوں سے (اس کے شوقین لوگوں کے ذریعے، جو اپنے فارغ اوقات اور اپنی دولت کو اس میں لگاتے ہیں اور ان ماہرین کے ذریعے، جو ان یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں میں کام کرتے ہیں، جو حکومتوں کی طرف سے چلائے جاتے ہیں یا ذاتی طور پر چلائے جاتے ہیں) چلا آ رہا ہے، حکومتی سطح کی روایت بھی بہت قدیم زمانے سے قائم ہے؛ جب کہ مذہبی رہنما اور دوسرے اعلیٰ درجے کے سرکاری ملازم پہلے ہی سے علم ریاضی میں مشغول تھے؛ تاکہ موسم اور کیلنڈر مقرر کیا جائے اور ستاروں کے فال کا مطالعہ کریں“۔ (۱)

جارج سارٹن نے مقدمہ تاریخ سائنس میں لکھا ہے:

”بابلی فلکیات کا زمانہ بڑا قدیم ہے اور قیاس یہ ہے کہ مغرب نے فلکیات کا علم اسی سرچشمے سے حاصل کیا ہے (آگے لکھتا ہے) ہفتے کے سات دن، دن میں بارہ بارہ گھنٹوں کے دو دور، زاویے کی شصت

گانہ تقسیم، بابل کے علمائے بیت نے بہ حوالہ آفتاب، سیارہ زہرہ کے طلوع و غروب کا حساب، ولادتِ مسیح سے بھی تین ہزار سال پہلے کر لیا تھا۔ (۱)

انسائیکلو پیڈیا سے معلوم ہوا کہ ریاضی کے فنون، دنیا میں قدیم ترین زمانوں سے رائج و عام ہیں اور ”جارج سارٹن“ کی شہادت سے معلوم ہوا کہ تین ہزار برس قبل مسیح ہی سے بابل میں ان فنون کو فروغ حاصل ہو چکا تھا، یہ الگ بات ہے کہ بعد کے ادوار کے لحاظ سے اس وقت یہ فنون محض ابتدائی شکل میں تھے؛ مگر اتنا تو یقینی ہے کہ زمانہ رسالت و صحابہ تک اس میں بہت کچھ ترقی ہو چکی تھی اور رصدگاہوں کا قیام بھی اس وقت تک عمل میں آچکا تھا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ ”دنیا کی تاریخ پر نظر رکھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں کہ ریاضی کے یہ فنون آں حضرت خلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے بہت پہلے دنیا میں رائج تھے اور خود آں حضرت خلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مصر و شام اور ہندوستان میں رصدگاہیں قائم تھیں۔“ (۲)

رہی آلاتِ جدیدہ کی بات، تو اس کا جواب بھی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

عہد رسالت میں مانا کہ ہوائی جہاز نہ تھے؛ مگر مدینے میں سلع پہاڑ سامنے کھڑا ہے اس کے اوپر کچھ آبادی بھی ہے، جبلِ احد بھی ساتھ لگا ہوا ہے، مکہ معظمہ تو سب طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا

(۱) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا: ۳۲۶/۲۔ مقالہ ASTRONOMY

(۲) رویتِ ہلال: ۱۵

ہے، صفا اور مروہ کی پہاڑیاں اور جبلِ ابی قتیس بالکل شہر سے لگے ہوئے ہیں؛ لیکن عہدِ رسالت میں پھر خلافتِ راشدہ اور قرونِ خیر میں کہیں نظر سے نہیں گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام نے اتنا اہتمام فرمایا ہو کہ لوگوں کو ان پہاڑوں کے کسی اونچے مقام پر چڑھ کر چاند دیکھنے کے لیے بھیجا ہو۔^(۱)

حاصل یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام نے روایتِ ہلال کے لیے جو سادہ اور فطری اصول اپنایا تھا، وہی پسندیدہ ہے؛ لہذا آلاتِ جدیدہ اور فنونِ ریاضیہ سے اس میں مدد لینا، نہ واجب ہے، نہ مستحب ہے؛ بل کہ زیادہ سے زیادہ یہ صرف ”جائز“ ہے، بہ شرطیکہ وہ اسلامی اصول و ضابطوں کو مجروح نہ کرتے ہوں، اگر ان سے اسلامی اصول و ضوابط کی خلاف ورزی لازم آتی ہو، تو ان سے مدد لینا جائز بھی نہ ہوگا۔

نوٹ: ان اصول و ضوابط کا تذکرہ آئندہ صفحات میں اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

ممکن ہے کہ ان حضرات کو جو تجدید پسند واقع ہوئے ہیں اور ان جدید آلات کو زمانے کی ضرورت؛ بل کہ اہم ضرورت خیال کرتے ہیں، یہ بات کھٹکے کہ اسلام روایتِ ہلال کے لیے ان آلات و فنون سے مدد لینے کو پسند نہیں کرتا؛ مگر جو حضرات بصارتِ ظاہری کے ساتھ بصیرتِ باطنی سے بھی سرفراز ہیں، وہ یہ بات بہ خوبی جانتے و سمجھتے ہیں کہ اسلام کا یہ طرزِ عمل بڑی حکمت پر مبنی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے، جو وطنی، لسانی اور جغرافیائی حد بندیوں سے بالاتر ہو کر پورے عالم اور عالم کے ہر فرد کے لیے آیا ہے

اور اس کے احکام کے مکلف صرف وہ لوگ نہیں ہیں، جو ریاضی کے فنون سے واقف اور آلاتِ جدیدہ سے بہرہ مند ہیں اور نہ صرف وہ لوگ، جو شہروں کی پر تکلف زندگی بسر کرنے والے اور ترقی یافتہ علاقوں میں سکونت پذیر ہیں؛ بل کہ ان فنون سے یکسر ناواقف اور آلاتِ جدیدہ سے کلیتہً بے بہرہ لوگ اور معمولی، چھوٹے چھوٹے دیہات و قریوں میں اور پہاڑوں اور دور افتادہ جزیروں میں بسنے والے بے شمار لوگ بھی ہیں، اگر آلاتِ جدیدہ و فنونِ ریاضیہ سے رویتِ ہلال میں مدد لینا ضروری یا پسندیدہ و مستحب قرار دیا جاتا، تو ظاہر ہے کہ اس حکم کی تعمیل آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی سب کے لیے ممکن نہ تھی، غریب اور پسماندہ طبقات کے لوگ یا تو ترک واجب کے مرتکب ہوتے یا فضیلت سے محروم رہ جاتے؛ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامی عبادات و اعمال کی انجام دہی میں بھی غریب لوگ امیروں سے پیچھے رہ جاتے، ظاہر ہے کہ غریب و امیر کا یہ فرق اسلامی روح کے سراسر خلاف ہے؛ اس لیے اسلام نے عبادات کے لیے سادہ اور فطری اصول مقرر فرمائے ہیں؛ تاکہ ہر قسم کے لوگ بہ آسانی ان کو اختیار کر کے فرض ادا کر سکیں؛ البتہ جن کو یہ آلات میسر ہوں یا جو ان فنون سے بہرہ یاب ہوں؛ وہ اگر ان فنون و آلات کو کام میں لائیں، تو۔ اس شرط کے ساتھ کہ اسلامی اصول مجروح نہ ہوں۔ ان کو اجازت دی جائے گی۔

غور کیجیے کہ یہ بات کیا اسلام کے محاسن میں شمار کرنے کے قابل نہیں؟ مگر افسوس کہ آج کا جدت پسند طبقہ، اسلام کی اس فطری سادگی اور سہولت پسندی کو اسلام کے محاسن میں شمار کرنے کو تیار نہیں ہے۔

اختلافِ مطالع کا مسئلہ

قدیم زمانے سے یہ مسئلہ فقہائے کرام کے مابین زیرِ بحث رہا ہے کہ چاند کے

مطالع کا اختلاف (کسی جگہ چاند، کسی دن نظر آئے اور دوسری جگہ دوسرے دن) احکام میں مؤثر و معتبر ہے یا نہیں؟

مثلاً: مغربی علاقوں میں چاند نظر آ گیا؛ جب کہ ابھی مشرقی علاقوں میں نظر نہیں آیا، تو کیا اس اختلاف کا اعتبار کر کے یہ کہا جائے گا کہ جہاں نظر آ گیا، وہاں کے لوگ روزہ رکھ لیں یا عید کر لیں اور جہاں نظر نہیں آیا، وہاں کے لوگ روزہ نہ رکھیں اور عید نہ کریں؛ یا اس اختلاف کا اعتبار نہ کر کے یہ حکم کیا جائے گا کہ اس رُؤیتِ ہلال کی خبر دنیا کے کسی بھی خطے اور علاقے میں پہنچے، وہاں کے لوگوں پر روزہ رکھنا یا عید کرنا لازم ہوگا؟

مگر یہ بات یہاں ذہن نشیں کر لینی چاہیے کہ اس اختلاف کا منشا یہ نہیں ہے کہ چاند کے مطالع میں اختلاف ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے، نہیں! بل کہ مطالع میں اختلاف کا ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے، جس کو سبھی فقہاء و علما مانتے ہیں؛ کیوں کہ یہ ایک واقعی چیز ہے، جو کچھ اختلاف ہے، وہ اس اختلافِ مطالع کے مؤثر و معتبر ہونے میں ہے کہ بعض معتبر مانتے ہیں اور بعض غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ مشہور حنفی فقیہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے:

جاننا چاہیے کہ اختلافِ مطالع میں بہ جائے خود کوئی نزاع و اختلاف نہیں ہے، اس معنی کر کہ کبھی دو شہروں میں اتنا فاصلہ ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک میں فلاں رات چاند طلوع ہو جاتا ہے، دوسرے میں نہیں۔ آگے چل کر فرمایا۔ بس اختلاف تو اس اختلافِ مطالع کے اعتبار میں ہے کہ کیا ہر قوم پر اپنے مطالع کا اعتبار کرنا واجب ہے اور دوسرے مطالع کے مطابق ان پر عمل لازم نہیں ہے یا اس

اختلاف کا اعتبار نہیں ہے؛ بل کہ جو پہلے دیکھا گیا، اس پر عمل کرنا واجب ہے؟ حتیٰ کہ اگر مشرق میں جمعے کی رات چاند دیکھا گیا اور مغرب میں ہفتے کی رات، تو مغربی لوگوں پر مشرقی لوگوں کی رویت پر عمل کرنا واجب ہوگا؟ (۱)

اس سے واضح ہوا کہ مطالع میں فی نفسہ اختلاف کا ہونا، فقہائے کرام کے نزدیک مسلم ہے، اختلاف اس کے معتبر ہونے یا نہ ہونے میں ہے، پھر علامہ شامی رحمۃ اللہ کے مطابق اختلاف مطالع کے معتبر ہونے میں جو اختلاف ہے، وہ صرف روزے کے بارے میں ہے، باقی امور جیسے: حج و قربانی وغیرہ کے متعلق اس اختلاف کا سبھی نے اعتبار کیا ہے۔ (۲)

(۱) ردالمحتار: ۳/۳۶۳

(۲) یہ بات علامہ شامی رحمۃ اللہ نے علما کے کلام سے اخذ و استنباط کر کے بیان کی ہے۔
چنانچہ لکھتے ہیں: ”یفہم من کلامہم فی کتاب الحج أن اختلاف المطالع فیہ معتبر، فلا یلزمہم شیء لو ظہر أنه رئی فی بلدة أخرى قبلہم بیوم، وھل یقال کذا لک فی حق الأضحیة لغير الحجاج؟ لم أره، والظاهر نعم، لأن اختلاف المطالع إنما لم یعتبر فی الصوم لتعلقہ بمطلق الرؤية.“
(ردالمحتار: ۳/۳۶۴)

مگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ نے ”امداد الفتاویٰ“ میں اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ نے ”إعلاء السنن“ میں اس سے اختلاف کیا ہے؛ چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ”علامہ شامی نے ہر چند کہ بنا عدم قبول شہادت کے اعتبار اختلاف مطالع پر ٹہرائی ہے؛ مگر اس کو کسی نے سراحۃ نقل نہیں فرمایا؛ بل کہ یفہم من کلامہم کہا، جس کے معنی یہ ہیں کہ ”ان کے کلام سے یہ اعتبار مستخرج ہوتا ہے، تو اصل حنفیہ کے نزدیک کل جگہوں میں عدم اعتبار اختلاف مطالع ٹہرا“۔ ”کما هو ظاہر من إطلاقاتہم۔“

اور استنباط علامہ شامی کا مسئلہ اضحیہ میں اسی بنا پر ہے کہ انہوں.....

غرض یہ کہ فقہائے کرام کے مابین اختلافِ مطالع کے مسئلے میں جو بحث ہوئی ہے، وہ اختلافِ مطالع کے وجود کے بارے میں نہیں ہے، جیسا کہ بعض حقیقت سے ناواقف لوگ گمان کرتے ہیں؛ بل کہ اختلاف اور بحث اس کے معتبر ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔

فقہاء کے اس میں تین مسلک ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ اختلافِ مطالع کا مطلقاً کوئی اعتبار نہیں، کتبِ فقہ حنفیہ میں اس کو ظاہر الروایہ بتایا گیا ہے۔ (۱)

..... نے عدم قبولِ شہادت کو بعض مسائل حج میں مبنی براختلافِ مطالع شہرایا؛ حال آں کہ عند التامل یہ امر غیر صحیح ہے؛ بل کہ اس عدم قبول کی وہی حرج ہے، پس جب بنائی صحیح نہیں تو مبنی کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے، خصوصاً جب کہ کتبِ مذہب کے خلاف ہو؟“
(امداد الفتاویٰ: ۲/۱۰۸)

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ رقم فرماتے ہیں:

واعلم أن عدم اعتبار اختلاف المطالع الظاهر أنه عام لجميع الأهلة ، وفرق العلامة الشامي بين هلال رمضان وهلال ذي الحجة استناداً بما قالوا في الحج ، واستدلوا لا بتعلق صوم رمضان بمطلق الرؤية في قوله صلى الله عليه وسلم : ”صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته“ هذا بخلاف الأضحية لا يصح ، واستناداً بما قالوا في الحج ساقط ، لأن مبناه دفع الحرج بعد وقوع الحج ، لا اعتبار اختلاف المطالع ، فإن تحققت شهادة قبل الحج تقبل .“ (إعلاء السنن: ۹/۱۲۰)

(۱) وفي البحر: ”ولا عبرة باختلاف المطالع..... وقيل يعتبر..... والأول ظاهر الرواية، وهو الأحوط. كذا في فتح القدير، وظاهر المذهب، وعليه الفتوى، كذا في الخلاصة.“ (البحر الرائق: ۲/۲۷۱)

وفي الدر: ”واختلاف المطالع غير معتبر على [ظاهر] المذهب.“

(الدر المختار مع الشامي، ۳/۳۶۳)

وفي النور: ”وإذا ثبت في مطلع قطر لزم سائر الناس في ظاهر المذهب وعليه الفتوى.“ (نور الإيضاح مع المراقي: ۲۳۷)

۳- تیسرا یہ کہ بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے گا اور بلادِ قریبہ میں نہیں کیا جائے گا، اسی مسلک کو اکثر فقہائے مذاہب نے ترجیح دی ہے اور خود حنفی فقہانے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ نے یہ مسلک علامہ طحاوی، صاحبِ تجرید القدوری، صاحبِ فتاویٰ التاتاری خانیہ، صاحبِ الہدایہ، علامہ زیلیعی رحمہم اللہ وغیرہ فقہائے احناف سے نقل کیا ہے اور خود علامہ عبدالحی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

واصح المذاهب عقلاً ونقلاً ہمیں است کہ ہر دو بلدہ کہ فیما بین آنہا مسافتے باشد کہ در اں اختلافِ مطالع می شود و تقدیر مسافت یک ماہ است، دریں صورت حکمِ رویت یک بلدہ بدلہ دیگر نخواہد شد، و در بلادِ متقاربہ کہ مسافت کم از یک ماہ داشته باشد حکمِ رویت یک بلدہ بدلہ دیگر خواہد شد۔^(۱)

ترجمہ: عقلاً و نقلاً سب سے زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ جن دو شہروں میں اتنی مسافت ہو کہ اس میں مطلع بدل جاتا ہو، جس کا اندازہ یک ماہ کی مسافت ہے، ان میں ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کے لیے معتبر نہ ہوگی اور قریبی شہروں میں جن کے درمیان ایک ماہ سے کم کی مسافت ہو، ایک شہر کی رویت کا حکم دوسرے شہر کے لیے ہوگا۔

نیز علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ نے شرح ترمذی میں نقل کیا ہے اور وہ خود بھی اسی کے قائل ہیں۔^(۲)

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ: ۱۳۵-۱۳۴/۲

(۲) راجع الی معارف السنن: ۳۳۷/۵

نیز علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ نے ”فتح الملہم“ میں اس کو اصح و راجح قرار دیا ہے۔^(۱)

اور علامہ مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ نے بھی اس کو ترجیح دی ہے۔ وہ اپنے رسالے ”روایت ہلال“ میں فرماتے ہیں:

”آج تو ہوائی جہازوں نے ساری دنیا کے مشرق و مغرب کو ایک کر ڈالا ہے، ایک جگہ کی شہادت دوسری جگہ پہنچنا قضیہ (مشکل مسئلہ) نہیں؛ بل کہ روزمرہ کا واقعہ بن گیا ہے اور اس کے نتیجے میں اگر مشرق کی شہادت مغرب میں اور مغرب کی مشرق میں حجت مانی جائے، تو کسی جگہ مہینہ اٹھا کیمس دن کا، کسی جگہ اکتیس دن کا ہونا لازم آجائے گا؛ اس لیے ایسے بلاد بعیدہ میں جہاں مہینے کے دنوں میں کمی بیشی کا امکان ہو، اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ہی ناگزیر اور مسلک حنفیہ کے عین مطابق ہوگا۔“^(۲)

”مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ“ کے اجلاس منعقدہ ۳/۴ مئی ۱۹۶۷ء کی تجویز و فیصلہ، جس پر مختلف مکاتب فکر کے علما اور مختلف اداروں کے نمائندوں نے اتفاق کیا تھا، اس میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ

”نفس الامر میں پوری دنیا کا مطالع ایک نہیں ہے؛ بل کہ اختلاف مطالع مسلم ہے، یہ ایک واقعی چیز ہے، اس میں فقہائے کرام کا کوئی اختلاف نہیں؛ البتہ فقہا اس بات میں مختلف ہیں کہ صوم و افطار صوم کے باب میں یہ اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں؟ محققین احناف اور

(۱) فتح الملہم: ۳/۳

(۲) روایت ہلال: ۴۷

علمائے امت کی تصریحات اور ان کے دلائل کی روشنی میں مجلس کی متفقہ رائے ہے کہ بلادِ بعیدہ میں اس باب میں بھی اختلافِ مطالع معتبر ہے۔ (۱)

اس تفصیل سے یہ بات نہایت وضاحت سے سامنے آگئی کہ جمہور علمائے احناف بھی (خصوصاً اس آخری دور میں) اسی کے قائل ہیں کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جانا چاہیے۔

اور علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ نے اس جگہ ایک لطیف بات فرمائی ہے، جس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ائمہ مذاہب کا قول بھی اختلافِ مطالع کے اعتبار ہی کا ہے، علامہ موصوف رحمۃ اللہ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ

”ائمہ کرام سے تو صرف اختلافِ مطالع کے عدم اعتبار کا ایک اجمالی قول بغیر کسی تفصیل اور بغیر قرب و بعد کی تفریق کے مطلقاً منقول ہے اور اس کا منشا یہ ہے کہ اس زمانے کے نظامِ مواصلات اور قطعِ مسافت کے نظامِ معبود کے لحاظ سے ایک ماہ کے اندر اندر اتنی دور کی مسافت کا طے کرنا، جس سے کہ چاند کا مطلع مختلف ہو جائے، ممکن نہ تھا؛ یہ بات ناممکن تھی کہ کوئی شخص چاند دیکھے، پھر ایک ماہ سے پہلے ایسی جگہ پہنچ جائے، جہاں کا مطلع پہلی جگہ کے مطلع سے مختلف ہو؛ اس لیے اگر کوئی خبر پہلے پہنچ گئی، تو یہ سمجھا جاتا کہ مطلع ایک ہے؛ لہذا شرعاً اس روایت کے اعتبار کو لازم قرار دیا گیا اور اختلافِ مطالع کے عدم اعتبار کا قول اسی جہت سے آیا ہے؛ پھر لوگوں نے اس قول کو وسعت دی اور ہر مطلع کے لیے عام کر دیا؛ مگر یہ میرے نزدیک

(۱) بہ حوالہ روایتِ ہلال از: مولانا محمد میاں صاحب: ۱۰۴

مناسب نہیں ہے؛ بل کہ ضروری ہے کہ اس زمانے کے احوال و ظروف اور ان کے اغراض و مقاصد کی بھی رعایت کی جائے۔^(۱)

غرض یہ کہ بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع کا معتبر ہونا ہی قرینِ قیاس اور اکثر علما کا اختیار کردہ قول و مذہب ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ شہروں میں قرب و بعد کا معیار کیا ہے؟ بہ الفاظِ دیگر کن شہروں اور علاقوں کو ہم متحد المطلع اور کن کو مختلف المطلع قرار دیں؟ تو اس سلسلے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے؛ بعض فقہائے کرام نے ایک ماہ کی مسافت کو معیار قرار دیا ہے کہ جن دو شہروں کے مابین اتنی مسافت ہو، جو ایک ماہ میں طے کی جاسکے گی، تو یہ شہر علاقے مختلف المطلع ہوں گے اور جن کے درمیان اس سے کم مسافت ہو، وہ ”متحد المطلع ہوں“ گے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ نے بہ حوالہ ”جواہر“، اس کو علامہ قہستانی رحمۃ اللہ سے نقل کیا ہے اور علامہ تاج تبریزی رحمۃ اللہ سے نقل کیا کہ ۲۴ فرسخ سے کم میں مطلع کا

(۱) معارف السنن: ۳۲۸/۵-۳۲۹/۵، اس تحریر کے بعد علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کی ایک تحریر ان کے فتاویٰ میں نظر سے گزری، جو علامہ بنوری رحمۃ اللہ کی بات کی تائید کرتی ہے؛ لہذا اس کو نقل کرتا ہوں:

وہی ہذہ: فالضابط أن مدار هذا الأمر (أي قضاء الصوم) على البلوغ لقوله ”صوموا لرؤيته“ فمن بلغ أنه رأى ثبت في حقه من غير تحديد بمسافة أصلاً، و هذا يطابق ما ذكره ابن عبد البر في طرفي المعمورة لا يبلغ الخبر فيهما إلا بعد شهر فلا فائدة فيه؛ بخلاف الأماكن الذي يصل الخبر فيها قبل انسلاخ الشهر، فإنها محل الاعتبار. (مجموعة الفتاوى: ۱۰۷/۲۵)

(الناقل: شعيب اللہ خان)

اختلاف ممکن نہیں ہے۔^(۱)

محولہ بالا ”مجلس تحقیقات شرعیہ“ کی تجویز میں لکھا گیا ہے:

”بلاد بعیدہ سے مراد یہ ہے کہ ان میں باہم اس قدر دوری واقع ہو

کہ عادتاً ان کی رویت میں ایک دن کا فرق ہوتا ہو، ایک شہر میں ایک

دن پہلے چاند نظر آتا ہے اور دوسرے میں ایک دن بعد، ان بلاد میں

اگر ایک کی رویت دوسرے کے لیے لازم کر دی جائے، تو مہینہ کسی

جگہ ۲۸ دن کا رہ جائے گا اور کسی جگہ ۳۰ دن کا قرار پائے گا۔“^(۲)

یہ رائے نہایت متوازن ہونے کے ساتھ سہل العمل بھی ہے؛ لہذا اسی پر عمل

درآمد کرنا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے، باقی اس سلسلے میں فلکیاتی تحقیقات سے بھی

مدد لی جاسکتی ہے اور مطلع کی حدیں اس کے ذریعے مقرر کی جاسکتی ہیں۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ ہندوستان و پاکستان کا مطلع ایک ہے، اس

طرح بعض قریبی ممالک، جیسے: ”بنگلہ دیش“ اور ”نیپال“ کا مطلع بھی وہی ہے، جو

ہندوستان اور پاکستان کا مطلع ہے؛ لہذا ان میں سے ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ

معتبر ہوگی؛ جب کہ وہ بہ طریق موجب دوسری جگہ پہنچ جائے اور عرب ممالک کا مطلع

ہندوستان کے مطلع سے الگ ہے؛ لہذا وہاں کی رویت کا یہاں یا یہاں کی رویت کا

وہاں اعتبار نہ ہوگا؛ چنانچہ ”مجلس تحقیقات شرعیہ“ کی محولہ بالا تجویز میں بالاتفاق

لکھا گیا ہے:

”ہندوستان و پاکستان کے بیشتر حصوں اور بعض قریبی ملکوں،

(۱) قال الشامي: وقدّر البعد الذي تختلف فيه المطالع مسيرة شهر فاکثر علی

ما في القهستاني عن الجواهر . (الشامي: ۳۶۳/۳)

(۲) رویت ہلال: از مولانا میاں صاحب: ۱۰۴

مثلاً: نیپال وغیرہ کا مطلع ایک ہے۔ علمائے ہندوپاک کا عمل ہمیشہ اسی پر رہا ہے اور غالباً تجربے سے بھی یہی ثابت ہے، ان ملکوں کے شہروں میں اس قدر بُعد مسافت نہیں ہے کہ مہینے میں ایک دن کا فرق پڑتا ہو؛ اس بنیاد پر ان دونوں ملکوں میں جہاں بھی چاند دیکھا جائے، شرعی ثبوت کے بعد اس کا ماننا، ان دونوں ملکوں کے تمام اہل شہر پر لازم ہوگا، مصروحجاز جیسے دور دراز ملکوں کا مطلع ہندوپاک کے مطلع سے علاحدہ ہے، یہاں کی رُویۃ ان ملکوں کے لیے اور ان ملکوں کی رُویۃ یہاں والوں کے لیے ہر حالت میں لازم و قابل قبول نہیں ہے؛ اس لیے کہ ان میں اور ہندوپاک میں اتنی دوری ہے کہ عموماً ایک دن کا فرق ان میں واقع ہو جاتا ہے اور بعض اوقات، اس سے بھی زیادہ۔“ (۱)

ربانیہ سوال کہ اگر ان علاقوں میں سے کسی جگہ ۲۹/ تاریخ کو رُویۃ ہو جائے اور وہاں اس کا اعلان بھی کر دیا جائے، تو دوسرے علاقوں کے لوگ اس کے مطابق عمل کر سکتے ہیں یا اپنے قاضی یا جہاں قاضی نہ ہو، وہاں رُویۃِ ہلال کمیٹی کے فیصلے کا انتظار کریں؟ اور یہ کہ کیا دوسرے علاقوں کے قاضی یا رُویۃِ ہلال کمیٹی اس اعلان کی پابند ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں ہیں:

۱۔ رمضان کا چاند ۲۹/ تاریخ کو دیکھا جائے اور اس کا اعلان کیا جائے، تو اس صورت میں دوسرے علاقے کے اہل اسلام تک اس کی خبر بہ طریق موجب پہنچے، تو ان کے لیے درست ہے کہ اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے وہ روزہ رکھیں؛ کیوں

(۱) رُویۃِ ہلال از: مولانا میاں صاحب: ۱۰۴-۱۰۵

کہ رمضان کے لیے حسب تصریحات فقہ، قابلِ اعتماد خبر کافی ہے۔

۲- عید کا چاند ۲۹/ تاریخ کو دیکھ کر اس کا اعلان کیا گیا ہو، تو اس صورت میں دوسرے علاقوں کے مسلمان محض خبر پر اعتماد نہیں کر سکتے، بل کہ فقہاء کی تصریحات سے ثابت ہے کہ عید کے چاند میں باقاعدہ شہادت شرعیہ کا ہونا ضروری ہے؛ لہذا مقامی قاضی اور قاضی نہ ہونے کی صورت میں کوئی عالمِ فقہ یا معتمد کمیٹی کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ شہادت حاصل کر کے فیصلہ کرے اور مسلمانوں کے ذمہ ہوگا کہ ان کا انتظار کریں۔^(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ رمضان کے چاند کی صورت میں خبر صادق کے پہنچنے پر اس کے مطابق عمل جائز ہے؛ مگر عید کے لیے شہادت کے ضروری ہونے کی وجہ سے صرف کسی خبر پر افطار درست نہیں؛ لہذا قاضی کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔ جہاں قاضی ہو، وہاں کا حکم تو صاف ہے کہ فیصلے کے لیے قضا کا انتظار ضروری ہے؛ البتہ جہاں قاضی نہ ہو، جیسے ہندوستان کے اکثر شہروں کا حال ہے، تو اس

(۱) البحر الرائق میں ہے: "وقبل بعلہ خبر عدل، ولو قنا أو أنشئ لرمضان، وحرین أو حرو وحرین للفطر؛ لأن صوم رمضان أمر دینی، فأشبه رواية الأخبار، ولهذا لا يختص بلفظ الشهادة - إلى أن قال - وأما هلال الفطر فلأنه تعلق به نفع العباد وهو الفطر، فأشبه سائر حقوقهم، فيشترط فيه ما يشترط في سائر حقوقهم من العدالة والحرية والعدد وعدم الحد في قذف ولفظ الشهادة والدعوى، الخ." (البحر الرائق: ۲/ ۲۶۶-۲۶۷)

اور در المختار میں ہے: "وقبل بلا دعوى وبلا لفظ "أشهد" وبلا حكم ومجلس قضاء؛ لأنه خبر لا شهادة للصوم مع علة كغيم وغبار، خبر عدل أو مستور - ولو كان العدل قنا أو أنشئ أو محدوداً في قذف تاب - وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ "أشهد" الخ." (الشامی: ۲/ ۳۸۵-۳۸۶)

سلسلے میں عظمیٰ صاحب ”بحر و درمختار“ دونوں نے تصریح کی ہے کہ ایسے علاقوں میں ضرورت کی وجہ سے شہادت شرعیہ ساقط ہو جائے گی اور صرف دو ثقہ معتبر آدمیوں کی خبر پر افطار کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

اور علامہ بنوری رحمۃ اللہ نے اسی پر یہ فرمایا ہے کہ جہاں شرعی قاضی نہیں ہے، وہاں شہادت شرعیہ گزارنا نہیں چاہیے؛ بل کہ عید میں صرف دو عادل آدمیوں کی خبر پر عید کرنا چاہیے۔ (۲)

مگر حضرت علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ نے ”عمدة الرعاية“ میں اس کے خلاف یہ لکھا ہے کہ ثقہ عالم حاکم کے قائم مقام ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

”و العالم الثقة في بلدة لا حاكم فيها ، قائم مقامه“۔ (۳)

اور حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

(۱) علامہ دسکھی رحمۃ اللہ کہتے ہیں: ”ولو كان ببلدة لا حاكم فيها ، صاموا بقول ثقة و أفطروا بإخبار عدلين مع العلة للضرورة - قوله : لا حاكم فيها : أي لا قاضي ولا والي كما في ”الفتح“ ، قوله : للضرورة : أي ضرورة عدم وجود حاكم يشهد عنده“ (الشامي: ۲/۳۸۵-۳۸۶)

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ: ”أنهم لو كانوا ببلدة لا قاضي فيها ولا والي ؛ فإن الناس يصومون بقول الثقة ويفطرون بإخبار عدلين للضرورة“۔ (البحر الرائق: ۲/۲۶۷)

(۲) علامہ کی عبارت یہ ہے: ”اعلم أن بلاد الهند اليوم ليست فيها حكومة إسلامية وليس فيها دار قضاء المسلمين ، فالحكم في مثلها الصوم بإخبار ثقة والفطر بقول ثقتين ، ولا ينبغي لعلماء العصر من المفتين المشي على ما هو شأن قضاء دار الإسلام من الشهادة وغيرها“۔ (معارف السنن: ۵/۳۴۵)

(۳) عمدة الرعاية : ۱/۲۴۶، حاشیہ: ۸

”جن ملکوں میں اسلامی حکومت نہیں ہے یا ہے؛ مگر باقاعدہ شرعی قاضی مقرر نہیں ہیں، وہاں شہر کے عام دین دار مسلمان جس عالم یا جماعت پر مسائلِ دینیہ میں اعتماد کرتے ہوں، اس شخص یا جماعت کو قاضی کے قائم مقام سمجھا جائے گا اور رویتِ ہلال میں اس کا فیصلہ واجب التعمیل ہوگا۔“ (۱)

زمانے کے موجودہ حالات کے لحاظ سے بھی بہتر یہی ہے کہ جہاں قاضی نہ ہو، وہاں کسی معتبر عالمِ دین یا جماعت و کمیٹی کے فیصلے کا انتظار کیا جائے؛ تاکہ انتشار و افتراق سے بچا جاسکے۔

رویتِ ہلال اور جدید فلکیات

عصرِ حاضر نے جہاں اور چیزوں میں نئی تحقیقات اور حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں، وہیں فلکیاتی علوم و فنون کو بھی بامِ عروج پر پہنچا دیا ہے اور اس سے بھی حیرت انگیز انکشافات سامنے لائے گئے ہیں، اسی کی ایک کڑی یہ ہے کہ ایسے چارٹ اور نقشے تیار کر لیے گئے ہیں، کہ جن کے ذریعے پوری دنیا کے مختلف بڑے بڑے شہروں اور مشہور علاقوں میں متعدد سالوں تک ہر نئے چاند (NEW MOON) کی تاریخ اور امکانی وقت دریافت کرنا آسان ہو گیا ہے، ملیشیا یونیورسٹی کے پروفیسر اور مسلمان سائنس دان ”ڈاکٹر محمد الیاس“ نے بھی اس قسم کا ایک عالمی نقشہ تیار کیا ہے، جس سے ۳۱ سال تک نئے چاند کا وقت و تاریخ معلوم کر سکتے ہیں۔ (۲)

(۱) رویتِ ہلال: ۱۵

(۲) دیکھو: تعمیرِ حیات، حصہ: ۱۰، نومبر ۱۹۸۸ء

ان چیزوں کے پیش نظر فقہی مباحث میں ایک بحث یہ پیدا ہو گئی ہے کہ ”چاند کی پہلی تاریخ کا فیصلہ رؤیت پر معلق کرنے کے بہ جائے، اگر ان جدید فلکیاتی تحقیقات سے فائدہ اٹھا کر، ان سے ہی اس مسئلے کو حل کر لیا جائے، تو کیا شرعی نقطہ نظر سے اس کی گنجائش ہے؟“

یہ مسئلہ قدیم فقہاء کے درمیان بھی زیر بحث آیا ہے اور بعض فقہانے اس پر مستقل رسائل لکھے ہیں، علامہ سبکی شافعی رحمۃ اللہ کے رسالے کا ذکر علامہ شامی رحمۃ اللہ نے کیا ہے، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے بھی اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے، جو ان کے فتاویٰ میں شامل ہے اور بعض حضرات نے فتاویٰ میں اس پر مستقل کلام فرمایا ہے۔ اس مسئلے پر ہم کسی قدر تفصیل سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں؛ تاکہ حتی الامکان اس کا ہر پہلو واضح و مدلل ہو۔

قدیم فقہاء کا مذہب

یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ فلکیاتی علوم کو اگرچہ ترقی تو موجودہ دور میں ہوئی ہے؛ مگر ان علوم پر قدیم زمانے سے محنت ہو رہی ہے اور اس کے ماہرین، ہر دور میں رہے ہیں اور ان علوم کے لیے دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مراکز قائم رہے ہیں؛ اس لیے قدیم فقہاء کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث آیا ہے اور ان حضرات نے اس پر غور و فکر کے بعد اپنی آرا کا اظہار بھی کیا ہے؛ چنانچہ حضرات ”مالکیہ“، ”حنابلہ“ اور ”حنفیہ“ کے نزدیک حسابی طریقے یا آلاتِ رصدیہ کے ذریعے ثابت ہونے والے چاند پر عید و رمضان کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا؛ بل کہ خود اس حسابی طریقے سے چاند معلوم کرنے والے کو بھی اپنی اس تحقیق پر عمل کرتے ہوئے رمضان اور عید کرنا واجب نہیں۔^(۱)

(۱) چنانچہ مالکیہ کا مسلک یہ ہے:

”فمن تسبب له بغير البصر معتمداً على الحساب لم يوجد في حقه السبب ، فلا يرتب عليه حكم ؛ فلو كان الإمام يرى الحساب فثبت الهلال به ، لم يتبع لإجماع السلف على خلافه “ .
اور حنا بلکہ کا مسلک یہ ہے کہ :

” من صام بنجوم أو حساب لم يجزئه و إن أصاب . ولا يحكم بطلوع الهلال بهما ؛ لأنه ليس بمستند شرعي “ .
(كتاب الفروع: ۴/۴۱۳-۴۱۳)
علامہ عاصمی نجدی ضلی رحمۃ اللہ نے اس مسئلے کے حوالے سے بڑی ہی زبردست کلام کیا ہے ، یہ غرض افادہ ، پورا کلام پیش ہے :

”وأجمعوا على أنه لا اعتبار بالحساب ؛ لقوله صلى الله عليه وسلم ”صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته“ ولم يقل : للحساب . وقال الشيخ : المعتمد على الحساب في الهلال كما أنه ضال في الشريعة ، مبتدع في الدين ، فهو مخطيء في العقل والحساب ، فإن العلماء بالهيئة يعرفون أن الرؤية لا تنضبط بأمر حسابي ، وإنما غاية الحساب منهم إذا عدل ، أن يعرف كم بين الهلال و الشمس درجة ، وقت الغروب مثلاً ؛ لكن الرؤية ليست مضبوطة بدرجات محدودة ، فإنها تختلف باختلاف حدة النظر و كلاله ، وارتفاع المكان الذي يترأى فيه الهلال ، وانخفاضه ، وباختلاف صفاء الجو ، وكدره ، وقديره بعض الناس لثمان درجات ، وآخرون لا يرونها لثني عشرة درجة ، فيجب طرحه ، والمعول بما عول عليه الشرع “ .
(حاشية الروض المربع: ۳/۳۵۹)
اور احناف کا مسلک یہ ہے :

[لا عبرة بقول المؤقتين] لا يعتبر قولهم بالإجماع ، ولا يجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه .
(الشامي: ۳/۳۵۴)

وأشار المصنف إلى أنه لا عبرة بقول المنجمين . قال في غاية البيان : ومن قال ”يرجع فيه إلى قولهم ، فقد خالف الشرع“ . (البحر الرائق: ۲/۴۶۰).....

ہل کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اہل نجوم کے قول پر بالاجماع اعتقاد نہیں کیا جاسکتا اور خود اہل نجوم کو بھی اپنے حساب پر عمل کرنا جائز نہیں۔ (۱)

شوافع کا مسلک ”الفقہ علی المذاهب الأربعة“ میں یہ نقل کیا ہے کہ منجم کا قول خود اس کے حق میں اور اس کی تصدیق کرنے والے کے حق میں قابل اعتبار ہے۔ (۲)

مگر دوسرے علما کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح نہیں؛ بل کہ حضرات شوافع بھی جمہور کی طرح اسی کے قائل ہیں کہ حسابی طریقے پر اعتقاد کرنا جائز نہیں۔ ہاں! شوافع میں سے بعض حضرات کا یہ مسلک ہے، جس پر خود حضرات شوافع نے نکیر فرمائی ہے؛ چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ

علامہ سبکی رحمۃ اللہ نے، جو اہل حساب پر اعتقاد کو جائز کہا ہے، اس پر متاخرین شافعیہ نے رد کیا ہے، جن میں ابن حجر اور ربیع رحمہما اللہ ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے تمام اصحاب سوائے چند نادرو لوگوں کے اس پر متفق ہیں کہ اہل نجوم کے قول پر اعتقاد نہیں کیا جائے گا۔ (۳)

..... ولا يعتبر قول المنجمين بالاجماع ، ومن رجع إلى قولهم فقد خالف الشرع. (البنایة للعینی: ۶۱۳/۳)

نقل فی الہندیۃ: وهل يرجع إلى أهل الخبرة العدول ممن يعرف علم النجوم؟ الصحيح أنه لا يقبل ، كذا في ”سراج الوہاج“ ، ولا يجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه ، كذا في ”معراج الدراية“ . (الفتاوی الہندیۃ: ۲۱۷/۱)

(۱) الشامی: ۳۵۲/۳

(۲) الفقہ علی المذاهب الأربعة: ۵۵۱/۱

(۳) الشامی: ۳۵۲/۳

علامہ حموی رحمۃ اللہ نے حاشیۂ اشباہ میں شافعی مذہب کی کتاب ”التہذیب“ کے حوالے سے لکھا ہے:

”لا يجوز تقليد المنجم في حسابه ، لا في الصوم ولا في الإفطار“.

ترجمہ: نجومی کی تقلید اس کے حساب میں جائز نہیں ہے، نہ روزے میں نہ افطار میں۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اہل حساب کے اقوال پر اعتماد کر کے روزہ رکھنا یا روزوں کو ختم کرنا، شوافع کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے، بس ائمہ اربعہ اور ان کے اصحاب و اتباع کا یہی قول ہے۔ (۲)

فلکیاتی حساب پر اعتماد، اجماع کے خلاف ہے

بل کہ علما نے تصریح کی ہے کہ فلکیاتی حساب پر اعتماد کرنا خلاف اجماع ہے؛ گویا ان چند شاذ اقوال کو چھوڑ کر، پوری امت اس پر متفق ہے کہ اہل حساب کے قول پر اعتماد جائز نہیں ہے؛ البتہ روافض کا قول ہے کہ حساب پر اعتماد کیا جائے، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ

”ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اس میں اہل حساب کی طرف

رجوع کیا جائے اور یہ روافض ہیں، علامہ باجی رحمۃ اللہ نے فرمایا

(۱) الحموی علی الأشباہ: ۶۶/۲

(۲) جمہور حضرات شوافع کا بھی مسلک وہی ہے، جو ائمہ ثلاثہ کا ہے، اس کے لیے دیکھیے:

المجموع شرح المہذب: ۶/۲۸۸ - ۲۹۰، روضة الطالین: ۲/۲۱۰-۲۱۱، الحاوی الکبیر: ۳/۴۰۷-۴۰۹

کہ سلفِ صالح کا اجماع ان کے خلاف حجت ہے اور علامہ ابن
بریزہ رحمۃ اللہ نے کہا یہ ”باطل مذہب ہے“۔^(۱)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق اس پر بہت طویل کلام کیا
ہے، وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

”بلاشبہ ہم دینِ اسلام میں سے اس بات کو بالاضطرار جانتے ہیں
کہ روزہ، حج، عدت، ایلا، وغیرہ چاند سے متعلق احکام میں حساب
دان کی اس خبر پر کہ وہ (چاند) نظر آئے گا یا نہیں آئے گا؛ عمل کرنا
جائز نہیں اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے اور اس بارے میں
نہ کوئی پرانا اختلاف معلوم ہے نہ کوئی نیا اختلاف۔ ہاں! بعض
متاخرین فقہاء، جو تیسری صدی کے بعد ہوئے ہیں، انہوں نے یہ
گمان کیا کہ جب چاند مستور ہو جائے، تو حساب جاننے والے کو اپنے
حساب پر عمل کرنا جائز ہے، یہ قول اگرچہ چاند کے مستور ہونے کی
صورت کے ساتھ مقید اور حساب دان کے لیے مختص ہے؛ مگر شاذ ہے
اور اس کے خلاف پہلے اجماع ہو چکا ہے۔“^(۲)

(۱) قال العسقلانی: وذهب قوم إلى الرجوع إلى أهل التسيير، وهم
”الروافض“ ونقل عن بعض الفقهاء موافقتهم، قال الباجي رحمۃ اللہ: وإجماع
السلف الصالح حجة عليهم. وقال ابن بريزة رحمۃ اللہ: وهو مذهب باطل، فقد
نهت الشرع عن الخوض في علم النجوم لأنها حدس وتخمين ليس فيها قطع
ولا ظن غالب، مع أنه لو ارتبط الأمر بها لضاق إذ لا يعرفها إلا القليل.

(فتح الباري: ۴/۱۶۳)

(۲) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۵/۱۳۳

اہل حق میں سے جو حضرات فقہاء و علما اہل حساب پر اعتماد کے قائل ہیں، وہ گنے چنے ہیں، جن کا خلاف اجماع کے لیے مضر نہیں ہے، ان حضرات میں ایک ”محمد بن مقاتل“ کا نام آتا ہے، جو اہل حساب کے قول پر اس وقت اعتماد کرتے تھے؛ جب کہ ان کی ایک جماعت متفق ہوتی؛ مگر ان پر علامہ سرخسی رحمۃ اللہ نے رد کیا ہے۔ (۱)

دوسرے ”قاضی عبد الجبار“ ہیں اور ایک صاحب ”جمع العلوم“ ہیں، ان سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ اہل نجوم پر اعتماد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۲)

شوافع میں سے علامہ سبکی رحمۃ اللہ کا نام لیا جاتا ہے، جو اہل ہیئت کے حساب پر اعتماد کے قائل تھے اور اس سلسلے میں انھوں نے رسالہ بھی لکھا ہے؛ مگر محققین شوافع نے ان پر رد کیا ہے، جیسا کہ اوپر گذرا اور ابن حجر رحمۃ اللہ نے بعض اور نام بھی اس سلسلے میں ذکر کیے ہیں، ابن سرتج شافعی، مطرف بن عبد اللہ تابعی اور ابن قتیبہ محدث رحمہم اللہ؛ مگر ان پر علما نے رد کیا ہے اور ان کے قول کو اجماع کے خلاف قرار دیا ہے۔ (۳)

جمہور علما کے دلائل

۱۔ جمہور علما کے دلائل یہ ہیں کہ صوم و افطار صوم کے بارے میں نبی کریم

(۱) قال ابن نجيم: "قال بعض أصحابنا: لا بأس بالاعتماد على قول المنجمين وعن محمد بن مقاتل أنه كان يسألهم ويعتمد على قولهم بعد أن يتفق على ذلك جماعة منهم. وردّه الإمام السرخسي رحمه الله بالحديث".
(الأشباه والنظائر، لابن نجيم: ۲/۶۶)

(۲) فنقل أولاً عن "القاضي عبد الجبار" و"صاحب جمع العلوم" أنه لا بأس بالاعتماد على قولهم -
(رد المحتار: ۳/۳۵۵)

(۳) دیکھو: فتح الباري: ۳/۱۵۷

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں واضح طور پر حکم دیا ہے:

«عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم:

الشهر تسع و عشرون ، فلا تصوموا حتى تروه ولا تفطروا

حتى تروه ؛ فإن غم عليكم ، فاقدروا له ثلاثين. ^(۱)

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے، پس تم روزہ نہ رکھو، یہاں تک

کہ تم چاند دیکھ لو اور روزہ نہ چھوڑو، یہاں تک کہ تم چاند دیکھ لو؛ پس

اگر تم پر چاند پوشیدہ ہو جائے، تو تیس دن کا حساب کر لو۔

یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے اور مطلب و مقصد سب کا تقریباً یکساں

ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں تاریخ کو اگر چاند کی رویت ہوگئی، تو

روزہ و افطار (رمضان و عید) اسی کے مطابق کریں گے اور اگر چاند نظر نہ آیا، تو تیس

دن مکمل کر کے اگلے دن سے ماہ کا حساب ہوگا؛ خواہ فلکیاتی حساب کی رو سے نیا چاند

انیسویں کو ہو یا نہ ہو، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس حدیث میں خاص طور پر یہ بات غور کرنے کی ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۹/ تاریخ کو چاند مستور رہ جانے کی صورت میں تیس دن

مکمل کرنے کا حکم دیا ہے اور ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ مستور چیز معدوم نہیں ہوتی؛ بل کہ

فی الواقع موجود ہوتی ہے؛ البتہ اس پر کسی چیز کا پردہ پڑ جانے کی وجہ سے نظروں سے

مستور ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد

یہ بتانا ہے کہ چاند افق پر موجود ہوتے ہوئے بھی، اگر تمہاری نظروں سے بوجہ گرد و

غبار یا بوجہ بادل پوشیدہ رہ جائے، تو تیس دن کا مہینہ قرار دیا جائے اور یوں سمجھا

جائے کہ ۲۹/ کو شرعاً چاند نہیں ہوا۔

اس مفہوم کی مزید توضیح اس حدیث سے ہوتی ہے، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

” لا تقدموا الشهر بصيام يوم ولا يومين إلا أن يكون شيء يصومه أحدكم . ولا تصوموا حتى تروه ؛ ثم صوموا حتى تروه ، فإن حال دون غمامة ، فأتوا العدة ثلاثين ، ثم أفطروا والشهر تسع وعشرون“ (۱)

ترجمہ: رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھو، الا یہ کہ کوئی ایسی بات ہو، جس میں تم میں سے کوئی ایک روزہ رکھتا ہو۔ روزہ نہ رکھو؛ جب تک چاند نہ دیکھو (پھر چاند دیکھنے کے بعد) روزہ رکھو؛ جب تک کہ پھر چاند دیکھو، پس اگر چاند پر بادل حائل ہو جائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔

اس روایت میں ترمذی نے ”غیابة“ اور ابوداؤد نے ”غمامة“ اور نسائی نے ”سحاب“ روایت کیا ہے اور تینوں کا مطلب ایک ہے، وہ یہ کہ چاند کے اور ہمارے درمیان بادل یا اور کسی چیز کا پردہ حائل ہو جائے اور چاند نظر نہ آئے، تو تیس دن پورے کرو، اس سے صاف معلوم ہوا کہ مہینے کی آمد یا تو ۲۹ تاریخ کو رویت پر ہوگی، یا اگر رویت نہ ہو، تو تیس دن کی تکمیل کے بعد ہوگی؛ لہذا کسی حسابی طریقے یا آلاتِ رصدیہ کی بنیاد پر مہینہ کی آمد تسلیم نہیں کی جائے گی۔

۲۔ جمہور علما کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) ابوداؤد: ۲۶۵، الرقم، ۲۳۲۷۔ الترمذی: ۶۷۷/۲، الرقم: ۶۸۸ سنن الکبریٰ النسائی: ۱۰۳/۳، الرقم: ۲۳۵۰

» «إنا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب، الشهر هكذا

و هكذا ؛ یعنی مرتبہ تسعاً و عشرين و مرة ثلاثين « (۱)
ترجمہ: ہم امی امت ہیں، نہ لکھتے ہیں، نہ حساب کرتے ہیں،
مہینہ کبھی اس طرح ہوتا ہے اور کبھی اس طرح (یہاں آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں سے اشارہ فرمایا) راوی فرماتے ہیں
کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ مہینہ کبھی اتیس دن کا ہوتا
ہے اور کبھی تیس دن کا۔

اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ ماہ کے آغاز و انجام کا مدار، ان حسابات پر نہیں
ہے؛ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:
”حدیث کا ظاہر سیاق اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ (چاند کا) حکم حساب
پر معلق نہیں ہے اور اس کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ
ارشاد کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اگر تم پر چاند مستور ہو
جائے، تو تیس دن پورے کرلو“ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ
نہیں فرمایا کہ ہل حساب سے پوچھو۔“ (۲)

اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ
”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول و ارشاد خبر ہے، جس
میں نہی شامل و پوشیدہ ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر
دی کہ وہ امت، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والی

(۱) البخاری: ۲۵۴، الرقم: ۱۹۱۳۔ المسلم: ۵۴۵، الرقم: ۱۰۷۹۔ السنن: ۴۷۔ السنن

الکبریٰ للنسائی: ۱۰۷/۳، الرقم: ۲۲۶۲۔ أبو داؤد: ۲۶۴، الرقم: ۲۳۱۹۔

(۲) فتح الباری: ۱۶۳/۴

ہے، وہ ”امتِ وسط“ (اعتدال والی امت ہے) جو آئی ہے، نہ

لکھتی ہے، نہ حساب کرتی ہے۔ پس جو لکھتے اور حساب کرتے ہیں، وہ

اس (خاص) حکم میں اس امت میں سے نہ ہوں گے۔^(۱)

غرض اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ ہلال کا مدار حساب پر نہیں ہے؛ بل کہ حساب پر مدار رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

چاند کو رویت پر معلق کرنے کی حکمت

اب رہی یہ بات کہ شرع نے چاند کو رویت پر کیوں معلق کیا اور حساب پر اس کا مدار کیوں نہ رکھا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرع نے یہ حکم اور قانون بڑی حکمت و مصلحت کے پیش نظر بنایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ رویت ایک عام چیز ہے، جس میں ہر خاص و عام، جاہل و عالم، شہری و دیہاتی، برابر حصہ لے سکتا اور اپنی عبادات کو اس کے مطابق سر انجام دے سکتا ہے، اس کے برخلاف ”حساب“ ہر کوئی نہیں جانتا اور نہ جان سکتا ہے، اگر اس پر چاند کا مدار رکھا جاتا، تو عبادات متعلقہ کی ادائے گی محدود دے چند لوگوں کی رائے و فیصلے پر موقوف رہتی، جس میں سخت حرج اور انتہائی پریشانی ہے اور اسلام کا مزاج یہ نہیں کہ عوام کو تنگی و پریشانی میں ڈالے؛ بل کہ وہ سہولت و آسانی فراہم کرنا چاہتا ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ چاند کا حساب آج تک بھی منضبط نہیں اور اس کا کوئی اصول و قاعدہ دریافت نہیں ہو سکا ہے اور اہل حساب نے قدیم زمانے سے اس کا اعتراف کیا ہے کہ رویتِ ہلال کس دن ہوگی، اس کا قطعی فیصلہ کرنے کے لیے کوئی

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۶۵/۲۵

اصول اور ضابطہ دریافت میں نہیں آیا؛ جب اس کا کوئی ضابطہ ہی دریافت نہیں ہوا، تو اس بحث کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ حساب پر رویتِ ہلال کو معلق کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

رویتِ ہلال کے لیے کوئی فلکیاتی حساب منضبط نہیں

چنانچہ قدیم و جدید دونوں تحقیقات اس پر متفق ہیں کہ رویتِ ہلال کے لیے کوئی فلکیاتی حساب وقاعدہ منضبط نہیں ہو سکتا۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے اس پر بہت تفصیل کے ساتھ مدلل کلام کیا ہے، وہ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

”اعلم أن المحققين من أهل الحساب كلهم متفقون على أنه لا يمكن ضبط الرؤية بحساب بحيث يحكم بأنه يرى لا محالة ، أو لا يرى البتة على وجه مطرد، وإنما قد يتفق ذلك أو لا يمكن بعض الأوقات ؛ و لهذا كان المعتنون بهذا الفن من الأمم : الروم والهند والفرس والعرب و غيرهم مثل بطليموس الذي هو مقدم هؤلاء و من بعدهم قبل الإسلام وبعده لم ينسبوا إليه في الرؤية حرفاً واحداً“ (۱)

ترجمہ: ”جان لو کہ اہل حساب میں سے تمام کے تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ رویتِ ہلال کو کسی حساب سے منضبط کرنا ممکن نہیں کہ یہ حکم لگایا جاسکے کہ وہ یقیناً دکھائی دے گا یا دکھائی نہ دے گا؛ بل کہ رویت کبھی اتفاقاً ہو جاتی ہے اور بعض اوقات ممکن نہیں ہوتی

اور یہی وجہ ہے کہ روم، ہندوستان، فارس اور عرب وغیرہ اقوام میں سے جو لوگ اس فن (فلکیات) سے دل چسپی واعتنا کرنے والے تھے جیسے: بطلموس، جو کہ ان لوگوں میں مقدم ہے اور جو ان کے بعد گزرے ہیں؛ خواہ اسلام سے قبل یا اسلام کے بعد، ان کی طرف رُویّت کے بارے میں ایک حرف بھی منسوب نہیں کیا گیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے تمام محققین اہل حساب سے یہ نقل فرمایا کہ ”رُویّتِ ہلال کے بارے میں کوئی حساب اور ضابطہ منضبط کرنا خارج از امکان ہے“ اور لیجے چوتھی صدی ہجری کے نامور فلاسفر اور ماہر نجوم و فلکیات ”ابوالریحان البیرونی“ نے اپنی کتاب ”الآثار الباقیة“ میں تمام علمائے فلکیات کا اجماعی نظریہ یہی بتایا ہے کہ

فضائی و فلکیاتی حالات ایسے ہیں کہ جو کوئی غور کرے گا، تو رُویّتِ

ہلال کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی قطعی فیصلہ ہرگز نہ کر سکے گا۔ (۱)

نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ نے ”رُویّتِ ہلال“ میں لکھا ہے کہ

”کشف الظنون“ میں بہ حوالہ شمس الدین، محمد بن علی خواجہ

کا چالیس سال کا تجربہ یہی لکھا ہے کہ ان معاملات میں کوئی صحیح

اور یقینی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی، جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ (۲)

یہ بیانات اگرچہ بہت پرانے ہیں؛ مگر صورتِ حال آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے؛ بل کہ جدید فلکیاتی علوم کے ماہرین بھی اس بات کا اعادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

(۱) الآثار الباقیة، ۹۸ بہ حوالہ رُویّتِ ہلال: ۲۵

(۲) رُویّتِ ہلال: ۲۸

چنانچہ ایک پاکستانی مصنف ”جناب ضیاء الدین صاحب“ نے اپنے رسالے ”رُؤیتِ ہلال موجودہ دور میں“ میں یہ لکھا ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں یونیورسٹی آف لندن آبزرویٹری اور رائل گرین وچ آبزرویٹری سے استفسار کیا، اس کے جواب میں ان کو یونیورسٹی آف لندن آبزرویٹری کے شعبہ فزکس و علومِ فلکیات کے اسٹنٹ ڈائریکٹر نے جو اپنی ماہرانہ رائے اور فیصلہ دیا، وہ یہ تھا:

”آپ کے استفسار کے متعلق کہ آیا رصد گاہی سائنس داں کوئی ایسا معیار قائم کرنے کے قابل ہو چکے ہیں، جس سے نیا چاند نمودار ہونے والی شام کی یقینی پیش گوئی کی جاسکے؟

مجھے افسوس ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے، کچھ عرصہ قبل اس خاص مسئلے پر قضاۃ، سعودی عرب کے اراکین کے ساتھ میرے طویل مذاکرات ہوئے اور یہ معلوم ہوا کہ اس سلسلے میں پیش کی جانے والی کوئی بھی تجویز یقینی طور پر قرآن مجید کی ضروری شرائط سے تقریباً متصادم ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ درحقیقت رُؤیتِ ہلال کے متعلق کوئی بھی مفروضہ قائم نہیں کیا جاسکتا۔ آخر میں لکھا ہے کہ مجھے اس بات پر افسوس ہے کہ میرے خیال میں کوئی ایسا سائنسی طریقہ نہیں ہے، جس سے کہ اس موقع پر اسلام کی ضروری شرائط پوری کی جاسکیں۔“ (۱)

جناب ضیاء الدین صاحب نے آگے چل کر رصد گاہ گرین وچ کی سائنس ریسرچ کونسل کے فلکیاتی معلوماتی قرطاس نمبر ۶ / کے حوالے سے نقل کیا ہے:

”ہر ماہ نئے چاند کے پہلی مرتبہ نظر آنے والی تاریخوں کے متعلق پیش گوئی کرنا ممکن نہیں؛ کیوں کہ ایسے کوئی قابلِ اعتماد اور مکمل طور پر

مستند مشاہدات موجود نہیں ہوتے، جنہیں ان شرائط کو متعین کرنے میں استعمال کیا جاسکے، جو چاند کے اول بار نظر آنے کے لیے کافی ہو۔ (۱)

ان جدید ماہرینِ فلکیات کے بیانات کا حاصل بھی وہی نکلا کہ ”رُؤیتِ ہلال کی یقینی پیش گوئی کے لیے کوئی حساب و اصول اور سائنسی طریقہ نہیں ہے“، یہ بیانات بالکل تازہ اور ”اپٹو ڈیٹ“ (Up to date) ہیں اور ان سے ان لوگوں کے خیال کا بطلان ظاہر ہو گیا، جو کہتے ہیں کہ اس دورِ ترقی میں فلکیاتی علوم کی ترقی سے یہ بات ممکن ہو گئی کہ رُؤیتِ ہلال کو حساب کے ذریعے معلوم کر لیا جائے، ابھی ہم نے قدیم اہلِ حساب کے ساتھ جدید ماہرینِ فلکیات کے بیانات ملاحظہ کیے، جو سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ رُؤیتِ ہلال کے لیے کوئی حساب منضبط نہیں ہے اور نہ ممکن ہے۔

امکانِ رُؤیت سے رُؤیت ثابت نہیں ہوتی

غرض یہ کہ آج تک کسی ماہرِ فلکیات نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ فلاں مہینے کا چاند فلاں سال میں فلاں تاریخ کو نظر آئے گا؛ البتہ ان لوگوں نے امکانِ رُؤیت کا دعویٰ کیا ہے اور یہ بات معمولی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ رُؤیت کے وقوع اور رُؤیت کے امکان میں بڑا فرق ہے؛ ماہرینِ فلکیات صرف اتنا بتاتے ہیں کہ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ و دن میں رُؤیتِ ہلال کا امکان ہے؛ مگر وہ یہ حتمی و قطعی فیصلہ نہیں دیتے اور نہ دے سکتے ہیں کہ فلاں تاریخ و دن میں رُؤیت واقع ہو جائے گی، اسلام نے مدارِ صوم و افطار؛ وقوعِ رُؤیت کو قرار دیا ہے، نہ کہ محض امکانِ رُؤیت کو۔

چنانچہ اوپر اس کی وضاحت کر چکا ہوں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی

(۱) رُؤیتِ ہلال موجودہ دور میں: ۱۷

روزے کا وجوب رویتِ ہلال پر معلق ہے، اس حدیث کی رو سے کہ ”صوموا لرؤیتہ“ کہ چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند کی ولادت رویت پر مبنی نہیں ہے؛ بل کہ فلکیاتی قواعد پر مبنی ہے اور یہ قواعد اپنی جگہ اگر صحیح ہیں؛ لیکن اگر کسی رات میں چاند کی ولادت ہو، تو کبھی وہ نظر آتا ہے اور کبھی نظر نہیں آتا اور شارع نے روزے کے وجوب کو رویت پر معلق کیا ہے، نہ کہ چاند کی ولادت پر۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے یہ واضح ہوا کہ تولیدِ ہلال الگ چیز ہے اور رویتِ ہلال الگ چیز ہے، تولیدِ ہلال، جس کو (NEW MOON) کہا جاتا ہے، اس سے صرف رویت کا امکان پایا جاتا ہے، نہ کہ رویت کا وقوع اور شریعت نے محض تولیدِ ہلال یا امکانِ رویت پر مدار کا نہیں رکھا ہے؛ بل کہ وقوعِ رویت پر مدار ہے۔

رویت پر اثر انداز ہونے والے عوامل

وجہ یہ ہے کہ امکانِ رویت کے باوجود، بعض عوامل کی بنا پر رویت واقع نہیں ہوتی، علمائے فلکیات نے مسلسل تجربے اور مشاہدے کی بنا پر بیان کیا ہے کہ چاند جب ۲۹/ دن، ۲۱/ گھنٹے، ۴۴/ منٹ اور ۳/ سکند میں اپنی گردش پوری کر کے سورج سے جاملتا ہے، تو اس وقت اس کا دکھائی دینا ممکن نہیں؛ بل کہ اس کے بعد بھی تقریباً ۱۹/ یا ۲۰/ گھنٹے تک اس کا نظر آنا خارج از امکان ہوتا ہے، اس کے بعد اس کے نظر آنے کے امکانات شروع ہوتے ہیں اور عام طور پر ۲۱/ یا ۲۲/ گھنٹوں بعد ہی وہ قابلِ رویت ہوتا ہے؛ مگر اس وقت یہ محض امکان ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ نظر آئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نظر نہ آئے؛ کیوں کہ رویت پر بعض عوامل اثر انداز ہوتے ہیں؛

مثلاً مطلع کی کیفیت، فضا میں گرد و غبار، مقامِ مشاہدے کا محل وقوع، اسی طرح گرمی، سردی، فضا کی نمی، فضا کی خشکی؛ یہ سب باتیں رویت پر اثر انداز ہوتی ہیں؛ لہذا محض امکانِ رویت پر مدار نہیں رکھا گیا؛ بل کہ رویتِ حقیقی و واقعی پر مدار رکھا گیا ہے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فلکیاتی علوم کی بنیاد پر رویت کا مسئلہ حل نہیں کیا جاسکتا اور جن حضرات نے ان کی ترقی کی طرف نظر کر کے یہ سمجھا ہے کہ اس مسئلے کو ان علوم سے حل کیا جاسکتا ہے، یہ ان کی غلطی ہے اور خود اس فن کے ماہرین نے اقرار کیا ہے کہ اب تک کوئی قابل وثوق ایسا طریقہ ایجاد نہیں ہوا ہے کہ جس سے شرعی رویت کی شرائط پوری ہو سکیں۔ فلکیاتی تحقیقات نے اب تک صرف مخصوص تاریخوں میں رویتِ ہلال کے امکان کو ظاہر کر دیا ہے؛ مگر چوں کہ صرف امکان سے شرعی رویت کا تحقق نہیں ہوتا، جس پر احکام کا مدار ہے؛ اس لیے اس کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاسکتا اور اس پر احکام صوم و افطار کا مدار نہیں رکھا جاسکتا۔

ہوائی جہاز سے رویتِ ہلال

ہوائی جہاز سے اڑ کر اگر چاند دیکھا جائے، تو یہ قابل اعتبار ہوگا یا نہیں اور ہوگا تو کس صورت میں ہوگا؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ

ہوائی جہاز سے اڑ کر دیکھا ہوا چاند اس وقت قابل اعتبار ہوگا، جب کہ جہاز کی پرواز اتنی بلند نہ ہو کہ سطح زمین کے افق اور اس بلندی کے افق میں فرق ہو جائے، اگر اتنی بلندی پر جہاز سے پرواز کیا کہ سطح زمین اور اس بلندی کے افق میں کوئی فرق نہیں ہے، تو اس چاند کا اعتبار کیا جائے گا، اس کی نظیر، فقہ کا یہ جزئیہ ہے:

فأما إذ كانت متغيمّة أو جاء من خارج المصر أو
كان في موضع مرتفع فإنه يقبل عندنا. (۱)

ترجمہ: جب آسمان ابر آلود ہو یا چاند دیکھنے والا شہر کے باہر سے
آیا ہو یا کسی اونچی جگہ میں ہو، تو اس کا قول ہمارے نزدیک مقبول ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بلند جگہ سے چاند دیکھ کر خبر دے، تو اس کا قول قابل اعتبار
ہوگا اور اس کی وجہ یہ قول فقہا یہ ہے کہ بعض اوقات چاند بلندی سے دیکھا جاسکتا ہے،
جب کہ نیچے سے وہ نظر نہیں آتا۔ (۲)

اس سے ہوائی جہاز سے دیکھے ہوئے چاند کا معتبر ہونا معلوم ہوا؛ لیکن جیسا کہ
اوپر بھی اشارہ کیا گیا ہے، جہاز کی پرواز اگر بہت زیادہ بلند ہو جائے کہ وہاں تک
زمین والوں کی نظریں پہنچ ہی نہ سکیں، تو اس چاند کا اعتبار نہ ہوگا۔

وجہ اس کی وہ ہے، جو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ نے بیان کی ہے کہ
شرعاً رویت وہی معتبر ہے، کہ زمین پر رہنے والے اپنی آنکھوں
سے اس کو دیکھ سکیں۔ (۳)

(۱) رد المحتار: ۳/۳۵۷

(۲) نقل الشامي رحمه الله: "وجه ظاهر الرواية أن الرؤية تختلف باختلاف
صفو الهواء وكدرته وباختلاف انهباط المكان وارتفاعه، فإن هواء الصحراء أصفى
من هواء المصر، وقد يرى الهلال أعلى المكان ما لا يرى من الأسفل، فلا يكون
تفرده بالرؤية خلاف الظاهر بل على موافقة الظاهر." (رد المحتار: ۳/۳۵۷)
وذكر الطحاوي: أنه تقبل شهادة الواحد إذا جاء من خارج المصر وكذا إذا
كان على مكان مرتفع. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۱۸)

(۳) آلات جدیدہ کے شرعی احکام: ۱۸۶

نیز "مجلس تحقیقات شرعیہ" لکھنؤ کے اجلاس، منعقدہ ۲۳/۴/۱۹۶۷ء کی تجویز میں بھی یہی
کہا گیا ہے۔ (روایت ہلال: مولانا محمد میاں صاحب: ۱۰۳)

اور جم غفیر کی تعریف میں علامہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ نے بیان کیا ہے کہ وہ ایسا بڑا مجمع ہے کہ اس کی خبر سے علم یقینی حاصل ہو جائے اور ان سب کا جھوٹ پر اتفاق، عقل تسلیم نہ کرے۔^(۱)

اور در مختار میں لکھا ہے کہ

”ظن غالب“ اس مجمع کی خبر سے حاصل ہو جائے۔^(۲)

اور یہی صحیح قول ہے، اس سے اتنی بات معلوم ہو گئی کہ مطلع کے صاف ہونے کی حالت میں ایسی خبر درکار ہے، جس سے یقین نہ سہی، کم از کم غالب گمان اس بات کا حاصل ہو جائے کہ ”چاند ہو گیا“، اس میں ایسا شک و تردد نہ رہے کہ ظن غالب کے خلاف ہو، اب ہوائی جہاز کی زیر بحث رُؤیت کو دیکھیے کہ کیا اس سے ظن غالب چاند کا حاصل ہو جاتا ہے یا نہیں؟

ظاہر ہے کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں نیچے والوں کا چاند کو نہ دیکھ سکتا اور ہوائی جہاز سے اس کا دیکھ لینا؛ اس رُؤیت میں ایک احتمال تو یہ پیدا کرتا ہے کہ دیکھنے والوں نے کسی اور چمکتے ہوئے ستارے کو دیکھ لیا ہو، ورنہ نیچے والوں کو مطلع صاف ہونے کے باوجود کیوں نظر نہ آیا؟ اور دوسرا احتمال یہ پیدا کر دیتا ہے کہ جہاز کی پرواز اتنی بلند ہو گئی ہوگی کہ سطح زمین کا افق بدل گیا؛ اس لیے نیچے سے دیکھنے والوں کو نظر نہ آیا۔

ان احتمالات کے ساتھ ظن غالب حاصل نہیں ہو سکتا؛ اس لیے اگرچہ متعدد لوگوں نے ہوائی جہاز سے چاند دیکھا ہو، اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ

(۱) شرح الوقایۃ: ۷۵

(۲) [يقع العلم] الشرعی وهو غلبة الظن بخبرهم. (الدر المختار مع الشامی: ۳/۳۵۶)
وإن لم یکن بالسماء علة فیہما، یشرط أن یكون فیہما الشہود جمعاً کثیراً
يقع العلم بخبرهم؛ أي غالب الظن لا یقین. (البحر الرائق: ۲/۴۶۸)

فقہانے ”جم غفیر“ کی شرط اس لیے لگائی تھی کہ چاند ہو جانے کا ظن غالب حاصل ہو جائے؛ جب یہاں یہ حاصل نہ ہوا، تو ”جم غفیر“ کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا، اسی کو بعض علما نے اختیار فرمایا ہے۔

راقم کہتا ہے کہ اگر کسی طرح ان احتمالات کو ختم کیا جاسکتا ہو اور ظن غالب حاصل ہو جائے، تو پھر ہوائی جہاز کی عام رویت یا متعدد ہوائی جہازوں کی رویت کو معتبر قرار دینا چاہیے؛ جب کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ مطلع صاف ہونے کی صورت پر ایک شخص کی خبر کو بھی اس وقت کافی قرار دیتے ہیں، جب کہ وہ کسی بلند جگہ پر ہو اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ

” أن الرؤية تختلف باختلاف صفو الهواء وكدرته
وباختلاف انهباط المكان وارتفاعه ، فإن هواء الصحراء
أصفى من هواء المصر ، وقد يرى الهلال أعلى الأماكن
ما لا يرى من الأسفل “ (۱)

ترجمہ: ہوا کی صفائی اور کدورت کے اختلاف سے اور جگہ کے پست و بلند ہونے کے لحاظ سے دیکھنے میں بھی اختلاف ہوتا ہے اور جنگل کی ہوا شہر کی ہوا سے زیادہ صاف ہوتی ہے اور چاند کبھی بلند جگہوں سے نظر آ جاتا ہے، جب کہ نیچے سے نظر نہیں آتا۔

اس اصول پر اگر ہوائی جہاز کے مسئلے کو قیاس کر کے کہا جائے کہ مطلع کے صاف ہونے کی صورت پر بھی اس کی رویت معتبر ہے، تو درست ہوگا؛ مگر پہلے یہ احتمالات اچھی تدبیر سے ختم کر لیے جائیں۔ واللہ اعلم۔

خورد بین و دور بین سے رؤیتِ ہلال

خورد بین و دور بین سے رؤیتِ ہلال کے تقریباً وہی احکام ہیں، جو اوپر جہاز سے رؤیت کے متعلق مذکور ہوئے، کہ ان سے رؤیت معتبر ہے اور رمضان کے چاند کے لیے مطلع ابراؤد ہونے کی صورت پر، ایک معتبر یا مستور الحال کی خبر کافی ہے اور عید کے چاند کے لیے مطلع ابراؤد ہونے کی حالت میں، دو معتبر مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی محض خبر نہیں؛ بل کہ شہادت و گواہی ضروری ہے اور مطلع صاف ہو، تو اس سے دیکھے ہوئے چاند کا اعتبار اس وقت ہوگا؛ جب کہ جم غفیر نے چاند دیکھا ہو اور چاند ہو جانے کا ظن غالب حاصل ہو جائے، ورنہ اگر یہ احتمال ہو کہ خورد بین یا دور بین سے کوئی اور سیارہ نظر آگیا ہوگا؛ تو اس احتمال کے ساتھ مطلع صاف ہونے کی صورت پر اس کا اعتبار نہ ہوگا، نہ عید میں نہ رمضان میں۔ اسی طرح دور بین ایسی نہ ہو، جس سے افق پر نہ آیا ہو چاند بھی نظر آ جاتا ہو، چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک فارسی میں تحریر کردہ فتوے میں فرماتے ہیں:

”اگر بدلائل این فن، امر بہ ثبوت پیوند کہ خاصیت آن دور بین چینی است کہ ہلال با وجود تحت افق بودن بواسطہ آن بنظر می آید؛ حتی کہ شمس ہم با وجود عدم طلوع از افق در آن طالع می نماید؛ آرے صحیح و معتبر نباشد“۔ (۱)

ترجمہ: اگر فنی دلائل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اس دور بین کی خاصیت یہ ہے کہ چاند افق کے نیچے ہونے کے باوجود، اس کے ذریعے نظر آ جاتا ہے؛ حتی کہ سورج بھی افق سے

طلوع نہ ہونے کے باوجود، اس میں طلوع ہونے والا نظر آتا ہے، تو اس سے رؤیت صحیح و معتبر نہ ہوگی۔

اگر ایسی دو رہین ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ کسی صورت پر بھی، اس سے رؤیت کا اعتبار نہ ہوگا، جیسا کہ حضرت نے لکھا ہے۔

ٹی وی (T.V) اور ریڈیو (Radio) سے رؤیت کی خبر

اگر ”ریڈیو“ اور ”ٹی - وی“ سے رؤیتِ ہلال کی خبر معلوم ہو، تو اس کے معتبر ہونے نہ ہونے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل تفصیل ملحوظ ہونا چاہیے:

ریڈیو اور ٹی - وی کی خبر اس وقت معتبر ہوگی؛ جب کہ خبر دہندہ ثقہ و عادل یا مستور الحال ہو اور اس ریڈیو اسٹیشن کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ علما کے فیصلے کے بغیر کوئی خبر ہلال کے بارے میں شائع نہیں کرتا۔

چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

” (خبر و اطلاع) اگر کسی ریڈیو میں علما کے فیصلے کے مطابق ثقہ لوگوں کے انتظام سے نشر کی جائے، جس میں مغالطہ اور بے احتیاطی کا خطرہ نہ ہو، دوسرے شہروں میں جہاں خبر سنی جائے، اس کا قبول کر لینا اور اس خبر ثقہ کی بنا پر اپنی بستی میں روزے کا اعلان کر دینا جائز ہے؛ لیکن اس پر عمل سے پہلے یہ تحقیق ضروری ہے کہ جن نشر گاہوں سے یہ خبر نشر ہوئی ہے، وہاں اس کا معقول انتظام ہے کہ بدون علما کے فیصلے کے کوئی خبر ہلال کے متعلق نشر نہیں کی جاتی؟ اور جب تک اس کی تحقیق نہ ہو، اس کا قبول کرنا درست نہیں۔“ (۱)

اس میں صرف ریڈیو کا ذکر ہے؛ لیکن چوں کہ ٹی۔وی اور ریڈیو میں خبر کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں؛ اس لیے ٹی۔وی کے بارے میں بھی یہی شرط معتبر ہوگی۔ مذکورہ بالا شرائط کے مطابق اگر کسی ریڈیو یا ٹی۔وی سے ہلال کی خبر آئے، تو وہ رمضان کے ثبوت کے لیے معتبر مانی جائے گی، مفتی صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”صحیح اور معمول بھی یہی ہے کہ ہلال رمضان کی خبر میں چوں کہ شہادت شرط نہیں؛ اس لیے جس جگہ خبر دینے والے کی آواز جائے اور اس کا ثقہ ہونا معلوم ہو، تو دوسرے شہروں میں اس پر عمل کرنا جائز ہے۔“ (۱)

مگر یہاں وہ قاعدہ فقہیہ یاد رکھنا چاہیے کہ مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں رمضان کے لیے ایک ثقہ یا مستور الحال کی خبر کافی ہے؛ لہذا مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ٹی۔وی و ریڈیو سے ایک کی رویت کی خبر آئے، تو کافی ہے؛ لیکن مطلع صاف ہو، تو متعدد اشخاص کی خبر ضروری ہے؛ لہذا اگر ریڈیو سے اعلان میں یہ کہا گیا ہو کہ ایک جم غفیر نے فلاں مقام پر چاند دیکھا ہے، تو وہ معتبر ہے، ورنہ نہیں۔

رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں کے چاند کے لیے شہادت کا ہونا ضروری ہے؛ اس لیے عیدین کے چاند کی خبر بہ ذریعے ٹی۔وی اور ریڈیو کے معتبر نہ ہوگی؛ کیوں کہ شہادت اس کو کہتے ہیں کہ شہادت دینے والا رو بہ رو حاضر ہو کر گواہی دے۔ (۲)

(۱) امداد المفتین: ۴۸۳

(۲) قال الشیخی زادہ : وفي العناية : وفي اصطلاح أهل الفقه عبارة عن إخبار صادق في مجلس الحاكم بلفظة ”الشهادة“ . (مجمع الانهر: ۳/۲۵۸)

اور ریڈیو اور ٹی۔وی میں یہ بات حاصل نہیں ہوتی، حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

”ہلالِ رمضان کے علاوہ ہلالِ عیدین اور دوسرے اہلہ (ہلال کی جمع) کے معاملے میں باتفاق فقہاء، شہادت شرط ہے اور شہادت کی شرائط میں سے سب سے بڑی شرط ”شہودِ شاہد“، یعنی عدالت کے سامنے گواہ کا حاضر ہونا ہے، جو ریڈیو کی خبر میں مفقود ہے؛ لہذا ریڈیو کی خبر پر عید یا افطار کرنا درست نہیں ہو سکتا؛ اگرچہ خبر دینے والے کتنے ہی ثقہ اور عالم کیوں نہ ہوں۔“ (۱)

کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ٹی۔وی میں رو بہ رو حاضر ہو کر گواہی ہو سکتی ہے؛ کیوں کہ عرفِ عام میں بھی اور شرعی اصطلاح میں بھی، اس حاضری کا نام شہادت نہیں ہے؛ اسی لیے اگر کوئی شخص اپنا بیان ویڈیو کیسٹ (Video Cassette) میں بھر کر عدالت میں بھیج دے، تو اس کا نام شہادت نہ ہوگا؛ حالاں کہ وہاں بھی اس کی تصویر ہوتی ہے؛ مگر اس کی بنیاد پر کسی بھی عدالت گاہ میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

البتہ اگر کسی جگہ باقاعدہ شہادت کی بنیاد پر علما یا ہلال کمیٹی نے عید کا فیصلہ کر دیا ہو اور اس فیصلے کا اعلان ریڈیو یا ٹی۔وی پر ہو جائے، تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے آس پاس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس اعلان پر عید کرنا بھی درست ہے؛ کیوں کہ یہ شہادت نہیں؛ بل کہ شہادت کے بعد علما نے جو فیصلہ کیا ہے، اس کا اعلان ہے اور اس کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ معتبر وثقہ لوگ پوری احتیاط کے ساتھ اعلان کریں۔ (۲)

(۱) امداد المفتین: ۴۸۴

(۲) تفصیل کے لیے دیکھو: جواہر الفقہ: ۱/۴۰۲، ۴۰۳؛ آلاتِ جدید کے شرعی احکام: ۱۸۹،

رؤیتِ ہلال از مولانا میاں صاحبؒ: ۱۰۰

شرط نہیں ہے؛ مگر شرط یہ ہے کہ خبر دینے والے نے خود چاند دیکھا ہو، یا یہ بیان کرے کہ میرے سامنے فلاں شخص نے اپنا چاند دیکھنا بیان کیا یا فلاں شہر کی کمیٹی نے چاند کا فیصلہ کر دیا اور اس طرح مختلف مقامات کی خبریں مختلف اسٹیشنوں سے مل جائیں، تو عید بھی اس پر کی جاسکتی ہے۔“ (۱)

اگر غیر مسلم اعلان کرے تو؟

ریڈیو پر رویت ہلال کا اعلان کرنے والا ”مسلمان ہونا ضروری ہے“، اگرچہ کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ از خود چاند کا اعلان نہ کرے؛ بل کہ علما کے فیصلے ہی کو ان ہی کے حوالے سے نشر کرے اور وہ اس کی پابندی بھی کرے کہ علما کی طرف سے جن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے، بلا رد و بدل اس کو نشر کرے، تب بھی کسی غیر مسلم کا اعلان کافی نہ ہوگا؛ کیوں کہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ دیانات میں کافر کے قول کا اعتبار نہیں؛ چنانچہ لکھتے ہیں:

”لا يقبل قول الكافر في الديانات.“ (۲)

ترجمہ: کافر کے قول کا دیانات میں کوئی اعتبار نہیں۔

اسی طرح دیگر کتب میں بھی لکھا ہے؛ لہذا کافر کا اعلان معتبر نہیں ہوگا،

(واللہ اعلم۔)

ٹیلی فون (Telephone) اور وائر لیس (Wireless) کی خبر

رمضان کے چاند کے لیے ٹیلی فون کی خبر کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؛ جب کہ خبر دینے والا شناسا ہو اور اس کی آواز سے اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ یہ فلاں آدمی ہے

(۱) تفصیل کے لیے: رویت ہلال ۲۲-۲۳

(۲) فتاویٰ عالمگیری: ۳۴۲/۵

اور وہ شخص معتبر واقعہ ہو اور اگر آواز سے اس کو پہچانا نہ جاسکا؛ کیوں کہ فون پر ایسا ہوتا ہے کہ آواز سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ یہ کون ہے؟ یا وہ آدمی معتبر واقعہ نہ ہو، تو اس کی خبر پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

عید کے چاند کے لیے چوں کہ مطلع ابراآلود ہونے کی صورت میں شہادت شرط ہے؛ اس لیے اس کے ذریعے موصول ہونے والی خبر عید کے لیے معتبر نہیں ہوگی، اگرچہ خبر دہندہ کو پہچان لیا جائے اور وہ معتبر بھی ہو اور مطلع ابراآلود بھی ہو؛ بہر حال یہ خبر معتبر نہ ہوگی۔

مطلع صاف ہونے کی صورت میں رمضان وعید دونوں چاند کے لیے ایک جم غفیر کا دیکھنا شرط ہے؛ اس لیے اگر کسی جگہ ایسی عام رؤیت ہوئی ہو اور ٹیلی فون کے ذریعے معتبر آدمی اس کی خبر دے اور اس کی خبر پر چاند ہونے کا یقین یا ظن غالب حاصل ہو جائے، تو عید و رمضان دونوں کے لیے یہ خبر معتبر ہوگی۔

اسی طرح متعدد مقامات سے متعدد لوگوں کے فون ملیں اور ان میں کہا گیا ہو کہ میں نے چاند دیکھا ہے، یا فلاں شخص نے مجھے بتایا ہے کہ میں نے چاند دیکھا یا فلاں جگہ کی کمیٹی نے میرے سامنے چاند ہونے کا فیصلہ کیا ہے، تو دیکھا جائے کہ متعدد خبریں حد تو اتر کو پہنچ گئی ہیں یا نہیں؟ اگر یہ حد تو اتر کو پہنچ کر یقین یا کم از کم ظن غالب حاصل ہونے کا سبب بن جائیں، تو اس پر اعتماد کر کے عید و رمضان دونوں کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

وائس کی خبریں بھی تمام احکامات میں ٹیلی فون کے مشابہ ہیں، جو اس کے احکام ہیں وہی وائس کے احکام ہیں۔

ٹیلی گرام (Telegram) پیجر (Pager) اور ٹیلیکس (Telex) کی خبر

تار (ٹیلی گرام) کے ذریعے رویت ہلال کی خبر کے سلسلے میں علما نے زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے؛ کیوں کہ اس میں تار دینے والے کی نہ کوئی تحریر ہوتی ہے نہ دستخط ہوتے ہیں، جس سے تار دہندہ کی شناخت ہو سکے؛ پھر تار دینے والے اور تار حاصل کرنے والے کے درمیان عموماً غیر مسلموں کا واسطہ بھی ہوتا ہے؛ اس لیے علما میں سے بعض نے مطلقاً تار کی خبر کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے؛ چنانچہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے:

”بہ حسبِ ضوابطِ فقہیہ، مجرد اخباراتِ تار و غیرہ در بابِ حکمِ صوم و افطار معتبر نہیں۔“ (۱)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ نے اولاً بعض شرائط کے ساتھ تارکی خبر کو معتبر قرار دیا تھا، پھر بعض ناگفتہ بہ حالات کے سامنے آنے پر ایک فتویٰ مرقومہ ۱۳۲ھ میں اس سے رجوع فرما کر، اس کو مطلقاً ناقابل اعتبار قرار دیا، پھر ایک اور فتوے میں، جو اس رجوع کے دو سال بعد ۱۳۲۹ھ میں لکھا ہے، بعض شرائط کے ساتھ تارکی خبر کو معتبر قرار دیا ہے۔ اس فتویٰ سے اور دیگر علما کے فتاویٰ سے جو شرائط کی تفصیل حاصل ہوئی ہے، اس کو میں اپنے الفاظ میں مرتب کر کے پیش کرتا ہوں:

تاریکی خبر اس وقت معتبر ہوگی؛ جب کہ تار دہندہ شناسا ہو اور معتبر وثقہ ہو۔ (۲)

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ (اردو) ۱/۴۰۷

(۲) امداد الفتوی: ۹۶/۲

ہو، بل کہ ابر آلود ہو، تو اگر قرآن سے اس کا مصداق معلوم ہو جائے، تو اس کا اعتبار ہوگا۔ (۱)

عید کے چاند کی خبر اگر تار سے آئے، تو مطلع صاف ہونے کی صورت میں اس کا اعتبار نہ ہوگا، اگر صرف دو تین تار ہیں اور اگر تار زیادہ ہیں، مثلاً آٹھ دس ہیں اور ان سے ظن غالب حاصل ہو جائے؛ تو ان کا اعتبار کر کے عید کر سکتے ہیں۔ (۲)

اور اگر مطلع صاف نہ ہو، تو عید کے چاند کے لیے دو تین معتبر شناسا لوگوں کے تاروں کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، جب کہ ظن غالب حاصل ہو جائے۔ (۳)

اور اگر متعدد جگہوں سے مختلف معتبر لوگوں کے تار آئے کہ میں نے چاند دیکھا ہے، یا فلاں نے میرے سامنے اپنا چاند دیکھنا بیان کیا، یا فلاں کمیٹی نے اس کو قبول کر کے چاند کا فیصلہ کر دیا ہے، تو اگر یہ تواتر کی حد تک پہنچ گئے ہوں، تو اس کی بنیاد پر عید و رمضان کا حکم کرنا درست ہے۔ (۴)

پیجر (Pager) اور ٹیلیکس (Telex) میں بھی چوں کہ خبر دینے والے کی کوئی شناخت نہیں ہو سکتی، جیسے تار میں نہیں ہو سکتی؛ اس لیے تمام احکام میں یہ تار کے مشابہ ہیں، جو اس کے احکام ہیں، وہی ان کے بھی ہوں گے۔

(۱) عزیز الفتاویٰ: ۳۷۲، فتاویٰ دارالعلوم: ۳۷۶/۲، فتاویٰ باقیات: ۱۰۰

(۲) امداد الفتاویٰ: ۹۳/۲

(۳) امداد الفتاویٰ: ۹۳/۲

(۴) فتاویٰ دارالعلوم: ۳۸۱/۶، ۳۷۲/۶، آلاتِ جدیدہ: ۱۸۹، روایتِ ہلال: ۴۳

امکان کے ہوتے ہوئے اس پر کلی اعتماد نہیں کیا جاسکتا؛ اس لیے اس کی خبر کا حکم یہ ہے کہ جب تک تحقیق نہ ہو کہ یہ کس نے بھیجا ہے، اس پر عمل نہ کیا جائے اور اگر معلوم ہو جائے، تو پھر انہی شرائط کا لحاظ کیا جائے گا، جو ٹیلی گرام کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔

اخبارات کی خبروں کا حکم

اخبارات کی خبر کا وہی حکم ہے، جو ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا حکم اور مذکور ہوا، مثلاً: متعدد اخبارات متعدد جگہوں کی روایت ہلال کی خبر دیں، تو وہ خبر متواتر ہے، اس کا اعتبار رمضان وعید دونوں کے لیے کیا جاسکتا ہے۔ مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ صورت بھی استفاضے میں داخل ہے کہ مختلف شہروں سے مختلف لوگوں کے ذریعے روایت ہلال یا حکم بالروایت کی خبریں بہ حد تواتر موصول ہو جائیں، اس میں مختلف شہروں کے اخبار کی خبریں شامل ہیں، اخبارات کی خبر اگر حد تواتر کو پہنچ کر خبر مستفیض (مشہور) ہوگئی، تو اس پر عمل لازم ہے؛ خواہ ہلال رمضان کا قضیہ ہو یا دوسرے اہلہ (ہلال کی جمع) کا“۔^(۱)

اگر اوپر کی صورت کی طرح خبر مشہور نہ ہو؛ بل کہ ایک دو اخبار نے کسی جگہ کی روایت نقل کی ہو، تو اگر یہ ثقہ لوگوں کی خبر ہو، تو رمضان کے لیے اس پر عمل کرنا درست ہے، عید کے لیے درست نہیں۔^(۲)

(۱) امداد المفتین: ۴۸۸

(۲) امداد المفتین: ۴۸۸

موجودہ دور میں عدالت کا معیار

یہ معلوم ہے کہ بعض صورتوں میں چاند کا ثبوت عادل آدمی کی خبر پر اور بعض صورتوں میں شہادت پر رکھا گیا ہے اور شہادت کے لیے بھی عدالت کی شرط ہے، ان مواقع پر فاسق و فاجر کی خبر و گواہی معتبر نہیں؛ مگر موجودہ دور میں ظاہری ترقی نے روحانیت و انسانیت کو جو تنزل کا تحفہ دیا ہے، اس نے ایک سوال یہ بھی پیدا کر دیا ہے کہ اب اگر چاند کے ثبوت کے لیے عدالت و شہادت کو ضروری قرار دیا جائے، تو اکثر و بیشتر گواہیاں اور خبریں غیر معتبر قرار پائیں گی؛ کیوں کہ عدالت و ثقاہت سے متصف لوگ بہت کم ہیں، اب اس سلسلے میں عدالت کی شرط لگا کر لوگوں کی گواہی و خبر کو غیر معتبر قرار دیا جائے یا شرط عدالت میں کوئی ترمیم کی جائے گی؟

مگر حضراتِ فقہانے اس سلسلے میں جس قدر عدالت کو شرط قرار دیا ہے، اس کے پیش نظر موجودہ دور میں بھی عدالت کی تعریف میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ نے عدالت کی تعریف یہ بیان کی ہے:

”العدالة : أن يكون مجتنباً للكبائر، ولا يكون مصراً

على الصغائر، ويكون صلاحه أكثر من فسادِه، وصوابه

أكثر من خطاه.“ (۱)

ترجمہ: عدالت یہ ہے کہ وہ شخص کبیرہ گناہوں سے اجتناب

کرتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو اور اس کی اچھائی اس کی

برائی سے اور اس کی درستی اس کی خطا سے زیادہ ہو۔

اور اسی تعریف کو صاحب درمختار نے اختیار کیا ہے اور علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۸/۱۷۸

نے اس تعریف کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ نے کتاب الصوم میں زیر بحث مسئلے ہی میں عدالت کی تعریف یہ کی ہے کہ

عدالت ایک ملکہ ہے، جو تقویٰ اور مروت کو لازم پکڑنے پر ابھارتا ہے، - اس کے بعد فرماتے ہیں کہ - شرط اس کا ادنیٰ مرتبہ ہے اور وہ کبار اور اصرار علی الصغائر کا ترک ہے اور مروت کے خلاف کاموں کا چھوڑ دینا ہے۔ (۱)

پھر یہ عدالت کا ادنیٰ مرتبہ بھی خبر و گواہی دینے والے کی صرف ظاہری حالت پر رکھا گیا ہے کہ یہ ظاہر اگر نیک آدمی ہے، تو یہی بات کافی ہے۔

چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ اپنے رسالے ”تنبیہ الغافل والوسنان“ میں جو انہوں نے روایتِ ہلال کے مسئلے پر ہی لکھا ہے، فرماتے ہیں:

”والشرع اكتفى بالعدالة الظاهرة ، و فوض الباطن إلى العالم بالسرائر.“

ترجمہ: اور شریعت نے ظاہری عدالت کو کافی قرار دیا ہے اور باطن کو اللہ کی طرف سپرد کر دیا ہے، جو پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہے۔ (۲)

(۱) ”قال: العدالة ملكة ، تحمل على ملازمة التقوى والمروءة ، والشرط أدائها وهو ”ترك الكبائر والإصرار على الصغائر وما يخل بالمروءة“ . (الشامی : ۳/۳۵۲)

(۲) مجموعة رسائل ابن عابدین ۱/۲۳۶

الغرض! موجودہ دور میں اگرچہ فسق ظاہر ہے؛ لیکن ایسے لوگوں کا وجود، جن کو مذکورہ تعریف پر عادل کہا جائے، ناپید و نادر نہیں ہے؛ اس لیے عدالت کی تعریف میں ترمیم کا سوال، ناقابل التفات ہے، اسی لیے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ نے ”فتاویٰ دارالعلوم“ میں اس سلسلے میں کسی بھی ترمیم کی گنجائش نہیں دی ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ عدل کی وہی تفسیر اب بھی ہے، جو فقہانے لکھی ہے، وہی معتبر ہے، اختلافِ عصر (زمانے) سے عدالت کی تعریف میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، جس جگہ فقہانے عدالت شرط کی ہے، وہاں ایسی ہی عدالت کی ضرورت ہے اور جہاں مستور کی گواہی بھی کافی ہے، جیسے روزہ رکھنے میں اور اثباتِ رمضانیت میں، وہاں ثبوتِ عدالت کی ضرورت نہیں؛ مگر فسق بھی ظاہر نہ ہو۔^(۱)

ہاں! بعض اوقات اس سلسلے میں پریشانی لاحق ہو سکتی ہے، وہ اس طرح کہ کسی علاقے میں کسی وقت فسق کی کثرت کے باعث ہو سکتا ہے کہ عام معاملات کی شہادت میں ایسے ہی لوگ سامنے آئیں، جو شرعی اصول کے لحاظ سے مردود الشہادت و فاسق ہوں، مثلاً: ڈاڑھی منڈانے یا کٹانے کے عادی لوگ، ٹخنے کے نیچے پاجامہ یا پتلون پہننے کے عادی لوگ وغیرہ، تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ یہ لوگ جھوٹ کے عادی نہیں، تو ان کی بات معتبر مانی جائے گی؛ کیوں کہ شریعت میں فاسق کی خبر یا شہادت کو رد کرنے کا حکم نہیں ہے؛ بل کہ اس کی بات کی تحقیق کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ

نے اپنے رسالے ”رُویّتِ ہلال“ میں فقہ کی مشہور کتاب ”معین الاحکام“ کے حوالے سے اس کو نقل کر کے لکھا ہے کہ: ”معین الاحکام“ میں اس کو صواب اور معمول بہ قرار دیا ہے۔^(۱)

چاند پر رہنے والوں کے لیے رُویّتِ ہلال کا مسئلہ

چاند پر اگر چہ ابھی تک آبادی نہیں ہوئی ہے؛ تاہم اہل سائنس کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چاند پر آبادی کے سلسلے میں بہت ہی پُر امید ہیں اور قریب میں یہ انکشاف بھی ہوا ہے کہ چاند میں برف موجود ہے، جو علامت ہے اس کی کہ وہاں پانی پایا جاتا ہے، اہل تحقیق نے اس کی بنا پر پیش گوئی کی ہے کہ چاند پر آبادی جلد متوقع ہے۔

اس صورت پر ذہنوں میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر وہاں آبادی ہوگی، تو چاند والوں کے لیے ”رُویّتِ ہلال“ کا کیا مسئلہ ہوگا؟ کیوں کہ جب وہ لوگ خود ہلال یعنی چاند میں ہیں، تو وہ کیا دیکھ کر رمضان وعید کریں گے؟ احقر نے اس سلسلے میں بعض علما سے تحقیق کی اور مختلف جوابات ملے:

حضرت فقیہ الملت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ سے بندے نے ایک مجلس میں سوال کیا، تو فرمایا کہ

”جب وہاں آبادی ہی نہیں، تو جواب کی کیا ضرورت ہے؟ بعض

علما نے جواب میں فرمایا کہ ”چاند والے زمین کو دیکھ کر رمضان وعید کریں گے؛ کیوں کہ چاند پر زمین، چاند کی طرح دکھائی دیتی ہے۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم نے درس حدیث

کی تقریر میں یہ بیان فرمایا، جب کہ بندہ ایک موقع پر حاضر ہوا تھا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ: چاند والے، زمین والوں کی اتباع کریں گے اور ظاہر ہے کہ چاند پر رہنے والے دیگر معاملات میں بھی زمین والوں کے تابع ہوں گے، تو اس میں بھی وہ اہل زمین کی اتباع کریں گے، راقم نے حضرت مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ شاری سے بذریعہ خط اس سلسلے میں سوال کیا، تو یہی جواب دیا، احقر کا رجحان بھی اسی کی طرف ہے؛ کیوں کہ حدیث میں ”چاند“ دیکھنے پر روزہ و افطار کا مدار رکھا ہے، اب چاند کے قائم مقام زمین کو قرار دینا کسی دلیل سے ہی ہو سکتا ہے، (ولم یوجد)

لہذا چاند والوں کے لیے بھی چاند ہی کی رویت پر مدار ہوگا؛ البتہ وہ خود نہ دیکھ سکیں، تو اہل زمین کا اتباع کریں گے۔ **واللہ اعلم۔**

ابرآلود مطلع والے علاقوں کا حکم

جن علاقوں میں بالعموم مطلع ابرآلود رہتا ہے اور بہت کم چاند کی رویت ۲۹/ تاریخ کو ممکن ہوتی ہے، ایسی جگہوں پر ہمیشہ ۳۰/ دن کا مہینہ شمار کر کے رمضان وعیدین کا فیصلہ کرنا صحیح نہیں؛ بل کہ ایسے علاقوں میں ان کے قریب کے علاقوں کی رویت کا اعتبار کرنا چاہیے؛ جب کہ مطلع دونوں کا ایک ہو، ہمیشہ تیس دن کا اعتبار کرنا اور اس کے قرب و جوار کے متحدہ مطلع علاقوں کی رویت کا اعتبار نہ کرنا صحیح نہیں، اسی طرح محض ماہرینِ فلکیات کا قول بھی اس بارے میں معتبر نہ ہوگا۔

ہندوستان میں سعودی عرب کے مطابق

رمضان و عید - ایک علمی و فقہی تبصرہ

عام طور پر رمضان و عید کے چاند میں ہمارے ہندوستان میں، نیز بعض اور ممالک میں اور سعودی عرب میں ایک یا دو دن کا اختلاف ہوتا ہے، اس موقع پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب سعودی میں چاند نظر آگیا، تو سب کو اسی کا اتباع کرنا چاہیے اور بعض لوگ ایسا کرتے بھی ہیں کہ سعودی چاند کے حساب سے ہی یہاں روزے رکھتے اور عید مناتے ہیں، ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک لندن، امریکہ وغیرہ بعض اور ممالک میں بھی یہی اختلاف لوگوں میں دیکھنے و سننے کو ملتا ہے، اس سلسلے میں کیا صحیح ہے؟ اور جو لوگ سعودی عرب کی اتباع کرتے ہیں ان کی یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ احقر کے پاس ایک صاحب کا اس سلسلہ میں سوال آیا، تو اس کا جواب احقر نے لکھا اور وہ مسئلے کی صورتِ حال کی وجہ سے ذرا تفصیلی لکھا گیا، یہاں اسی جواب کو پیش کیا جا رہا ہے۔

سب سے پہلے ایک بات یہ سمجھ لیں کہ اہل علم میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ ایک جگہ چاند نظر آجائے، تو دوسرے تمام مسلمانوں پر اس کا اتباع لازم ہے یا نہیں؟ اس میں متعدد اقوال ہیں اور اس میں اکثر علما کا مختار و معتد قول یہ ہے کہ ”اختلافِ مطالع کی وجہ سے، ایک جگہ کا چاند لازمی طور پر دوسری جگہ کے لیے قابل قبول نہیں ہوتا؛ کیوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ چاند کے مطالع میں علاقے کے لحاظ سے اختلاف ہوتا ہے؛ لہذا یہاں کے لوگ یہاں کے مطالع کا اور وہاں کے لوگ وہاں کے مطالع کا اعتبار کریں۔“

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے بھی اسی رائے و نظریے کو اختیار کیا ہے؛ نیز ”المجمع الفقہ الاسلامی (جدہ)“ نے بھی اپنی قرارداد میں اسی کی تائید کی ہے، جیسا کہ ہم نقل کریں گے، اس پر تفصیلی کلام ہماری کتاب ”نفائس الفقہ“ میں دیکھیے؛ تاہم ایک نقطہ نظر کے مطابق یہ گنجائش ہے کہ کوئی سعودی عرب کا اتباع کر لے؛ مگر یہاں جس اہم پہلو پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص ایک ایسی بستی میں ہو، جہاں اہل علم کی کمیٹی ہو اور وہ روایتِ ہلال کے بارے میں جان کاری لیتی ہو اور سب کے لیے ایک لائحہ سناٹی ہو اور وہاں کے مسلمان اس کمیٹی کے فیصلوں کا اعتبار کرتے ہوئے روزہ و عید کرتے ہوں، ایسی جگہ میں کسی کا یہ نعرہ لگانا کہ سعودی میں جو فیصلہ ہوا، ہم اس کی اتباع کرتے ہیں اور وہی قابلِ اتباع ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ایک تو اس لیے کہ یہ کہنے والے سعودی کے علاوہ ہیں اگر چاند پہلے ہو، تو اس کو ماننے تیار نہیں ہوتے؛ حال آں کہ اسلام میں سعودی کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں اور نہ کسی امام کا مسلک ہے کہ صرف سعودی کے چاند کا اعتبار ہے۔ دوسرے اس لیے کہ اس سے امت میں انتشار و اختلاف پیدا ہوتا ہے، جو کہ صحیح نہیں۔

یہاں ہم اس سلسلے کے چند اہم فیصلے و فتاویٰ نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں، تاکہ بات واضح ہو جائے، سب سے پہلے ہم سعودی عرب کے بڑے بڑے علما کی مجلس کا متفقہ فیصلہ نقل کرتے ہیں، جس کو ”مجلس هیئۃ کبار العلماء“ کہا جاتا ہے، اس مجلس نے جو فیصلہ کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

”چاند کے مطلع میں اختلاف کا ہونا ان امور میں سے ہے، جو حجتاً و عقلاً معلوم ہیں اور اس میں کسی بھی عالم کا اختلاف نہیں، ہاں! اس میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے یا نہیں ہے؟ اور اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ ان نظری

فی الباکستان ینبغی أن یكون صومکم معهم حین یصومون ، و افطارکم معهم حین یفطرون ، لأنکم داخلون فی هذا الخطاب ، و لأن الرویة تختلف بحسب اختلاف المطالع ، و قد ذهب جمع من أهل العلم منهم ابن عباس رضی اللہ عنہ إلى أن لأهل کل بلدة رؤیتهم . الأمر الثاني : أن فی مخالفتکم المسلمین لیدیکم فی الصوم والإفطار تشویشاً و دعوةً للتساؤل والاستنکار وإثارة للنزاع والخصام ، والشریعة الإسلامیة الکاملة جاءت بالحث علی الاتفاق والوثام والتعاون علی البر والتقوی ، و ترک النزاع والخلاف الخ .^(۱)

ترجمہ: اس سلسلے میں پاکیزہ شریعت کا جو حکم ہمارے سامنے واضح ہوا، وہ یہ ہے کہ آپ پر اپنے یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ روزہ رکھنا واجب ہے، اس کی دو وجوہ ہیں: ایک یہ کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”روزہ اس دن ہے، جس دن تم (مسلمان) روزہ رکھو اور افطار یعنی عید اس دن ہے، جس دن تم مسلمان افطار کرو اور قربانی اس دن ہے، جس دن تم قربانی کرو۔“ اس حدیث کو ابو داؤد رحمہ اللہ وغیرہ نے سند حسن سے روایت کیا ہے؛ لہذا آپ اور آپ کے بھائی جب تک پاکستان میں ہیں، آپ پر ضروری ہے کہ وہاں کے مسلمان جب روزہ رکھیں، اس وقت ان کے ساتھ روزہ رکھیں اور وہ جب افطار (یعنی عید) کریں اس وقت ان کے ساتھ

(۱) مجموعۃ فتاویٰ ابن باز: ۱۵/۱۰۳-۱۰۴

اور معروف عربی عالم و مفتی علامہ ”شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ“ نے اپنے بعض فتاویٰ میں اگرچہ اس کی اجازت دی ہے کہ علما کے ایک نظریے کے مطابق کوئی چاہے، تو مملکتِ سعودیہ کی اتباع کر سکتا ہے، تاہم ہم نے جہاں اختلاف و انتشار پیدا ہونے کا خطرہ محسوس کیا، تو اس سے منع کیا ہے اور یہی کہا ہے کہ ہر علاقے کے لوگوں کو اپنے یہاں کے لوگوں کے ساتھ ہی روزہ وعید کرنا چاہیے، اس سلسلے میں ان کے ایک دو فتاویٰ ملاحظہ کیجیے، ان سے کسی نے سوال کیا ہے کہ

”ہم فلاں ملک میں خادم الحرمین کی جانب سے سفیر ہیں، یہاں ہمیں رمضان المبارک کے روزوں اور عرفے کے روزے کے بارے میں پریشانی ہے، اس بارے میں ہمارے ساتھی تین قسم کے ہیں: ایک وہ ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہم مملکتِ سعودیہ کے ساتھ روزہ رکھیں گے اور افطار، یعنی عید بھی کریں گے۔ دوسرے وہ ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہم جس ملک میں ہیں، وہاں کے مطابق روزہ و عید کریں گے اور تیسرے وہ ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہم روزہ تو اس ملک کے مطابق رکھیں گے اور یومِ عرفہ سعودی کے مطابق مانیں گے۔ آپ اس میں شافی جواب سے رہنمائی کریں۔

اس سوال کے جواب میں علامہ العثیمین نے لکھا کہ

”ایک ملک میں چاند نظر آئے اور دوسرے میں نہ دکھائی دے، تو اس بارے میں علما کا اختلاف ہے کہ کیا تمام مسلمانوں پر اس پر عمل لازم ہے یا صرف ان پر، جنہوں نے دیکھا اور جو ان کے مطلع میں ان کے موافق ہیں، یا صرف ان پر جو ایک ولایت کے تحت رہتے ہیں؟ اس میں متعدد اقوال ہیں اور اس میں راجح قول یہ ہے کہ اگر دو

ملکوں کا مطلع ایک ہو، تو وہ ایک مانا جائے گا؛ لہذا ان میں سے ایک جگہ چاند دکھائی دے، تو دوسرے ملک میں بھی اس کا حکم ثابت ہوگا؛ لیکن اگر مطلع میں اختلاف ہو، تو ہر ملک کا الگ حکم ہوگا..... (پھر اس کے دلائل ذکر کر کے فرماتے ہیں)..... اس بنا پر تم لوگ روزہ رکھو اور افطار کرو، جس طرح کہ اس ملک کے لوگ کرتے ہیں، جس میں تم لوگ ہیں، خواہ وہ تمہارے اصل وطن (سعودی عرب) کے موافق ہو یا اس کے خلاف ہو۔ (۱)

اسی طرح شیخ العثیمین نے اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ ”مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کا کلمہ ایک ہو اور وہ اللہ کے دین میں تفرقہ نہ ڈالیں اور یہ کہ ان کا روزہ اور ان کی عید بھی متحد ہو اور وہ اپنے یہاں کے دینی مرکز کی اتباع کریں اور وہ اختلاف نہ کریں؛ حتیٰ کہ اگر ان کے یہاں روزہ سعودی مملکت یا کسی اور اسلامی ملک کے لحاظ سے بعد ہی میں کیوں نہ ہو، بہ ہر حال وہ اپنے مرکز کا اتباع کریں۔ (۲)

سعودی عرب کے مشہور دارالافتاء ”اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء“ کے فتاویٰ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے، ایک سوال اس کے مفتیان سے کیا گیا ہے کہ

”ہم ریڈیو سے سعودیہ میں چاند ہو جانے کی خبر سنتے ہیں؛ جب کہ ہمارے یہاں چاند نظر نہیں آتا، تو بعض لوگ اس پر روزہ رکھ لیتے

(۱) فتاویٰ الشیخ العثیمین: ۱/۷۷-۷۹-۸۱

(۲) فتاویٰ العثیمین: ۱/۵۲

ہیں اور اکثر لوگ انتظار کرتے ہیں، اس سے بہت سخت اختلاف پیدا ہو گیا ہے؛ لہذا اس سلسلے میں فتویٰ دیں؟

اس کے جواب میں فتوے میں اولاً اختلافِ مطالع کا ذکر اور اس میں ائمہ کے مسالک کا ذکر کیا گیا ہے، پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ جب ریڈیو یا کسی اور ذریعے سے اپنے علاقے کے مطلع کے علاوہ کسی اور جگہ چاند ہو جانے کا ثبوت ہو، تو آپ لوگوں پر لازم ہے کہ روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا معاملہ وہاں کے حاکم کے حوالے کر دیں۔^(۱)

اسی طرح ایک اور فتوے میں لکھتے ہیں کہ اگر اختلاف ہو، تو وہاں اگر مسلمان حاکم ہو، تو اس کا فیصلہ لیں اور اگر مسلمان نہ ہو، تو وہاں کے مرکز اسلامی کی مجلس کا فیصلہ مانیں؛ تاکہ اس ملک کے مسلمانوں کا روزے وعید میں اتحاد باقی رہے۔^(۲) اور سعودی عرب کے ہی ایک اور معروف عالم ”علامہ شیخ صالح بن فوزان رحمۃ اللہ علیہ“ سے سوال کیا گیا کہ

”اگر کسی اسلامی مملکت مثلاً: سعودی میں رمضان کے آنے کا ثبوت ہو جائے اور دوسرے ممالک میں اس کے آنے کا اعلان نہ ہو، تو کیا حکم ہے؟ کیا ہم سعودیہ کے مطابق روزہ رکھیں؟ اور دونوں ممالک میں اختلاف ہو، تو کیا حکم ہے؟

شیخ صالح بن فوزان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ”ہر مسلمان اپنے ملک میں موجود مسلمانوں کے ساتھ روزہ و افطار کرے اور مسلمانوں پر اپنے علاقے میں رویت کا اہتمام کرنا

(۱) فتاویٰ اللجنة الدائمة: ۱۰/۹۷-۹۸

(۲) فتاویٰ اللجنة الدائمة: ۱۰/۱۰۱-۱۰۲

لازم ہے اور وہ لوگ دوسرے ایسے علاقے کی رویت پر روزہ نہ رکھیں جو دوری پر واقع ہو؛ کیوں کہ مطالع مختلف ہیں اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ کچھ مسلمان کسی غیر اسلامی ملک میں ہیں اور وہاں مسلمان نہیں ہیں، جو رویت کا اہتمام کریں، تو وہ لوگ سعودیہ کے ساتھ روزہ رکھیں، تو کوئی حرج نہیں۔“ (۱)

یہ علمائے عرب میں سے معروف اصحابِ افتا کے چند فتاویٰ ہیں، جن سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی، جو یہاں یا کہیں اور رہتے ہوئے سعودی عرب کے چاند پر رمضان وعید کرتے ہیں؛ لہذا ان کو اس طرح کی غلطی سے باز آنا چاہیے اور مسلمانوں میں اختلاف و انتشار پھیلانے سے احتراز کرنا چاہیے۔

رویتِ ہلال کمیٹی اگر فتوے کے خلاف کرے تو؟

رویتِ ہلال کمیٹی میں کوئی شخص دینی علم رکھنے والا نہ ہو اور اگر ہو، بھی تو اس کی رائے غلبہ آرا میں دب کر رہ جائے اور مفتی کے فتوے کے خلاف شہر کی رویتِ ہلال کمیٹی اپنا حکم نافذ کرنا چاہے، تو کیا کرنا چاہیے؟

اس کا جواب یہ کہ رویتِ ہلال کمیٹی کو مفتی کے فتوے کے ماتحت رہنا اور کام کرنا ضروری ہے، ورنہ وہ کمیٹی شرعاً معتبر نہیں ہوگی اور اس کے اعلانات شرعی اعلانات نہ ہوں گے، ان پر عمل کرنے کی اجازت نہ ہوگی، جو کمیٹی عالمِ دین کی بات – جب کہ وہ شرعی دلیل کے ساتھ ہو – تسلیم نہ کرے، تو عالمِ دین کو کمیٹی سے علیحدہ ہو کر اعلان کر دینا چاہیے، کہ یہ لوگ حکم شرعی تسلیم نہیں کرتے ہیں اور اپنی رائے پر عمل

کرتے ہیں، ان کی رائے شرعاً معتبر نہیں، میں ان سے علاحدہ ہوتا ہوں۔ (۱)

رمضان کا چاند اور ریڈیو پاکستان کی ایک دل چسپ غلطی

کراچی ۱۰/ مارچ (بہ ذریعے ڈاک) ریڈیو پاکستان، کراچی نے اپنی دانستہ غلطی سے کراچی کے باشندوں کو الجھن میں ڈال دیا ہے، بتایا گیا ہے کہ ”مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ“ نے رمضان کا چاند نظر آنے کی صورت میں ریڈیو پاکستان سے نشر کرنے کے لیے اپنی تقریر ریکارڈ کرائی تھی، آج چاند نظر آنے کی امید تھی؛ لیکن نظر نہیں آیا، ادھر ریڈیو پاکستان کے ذمہ داروں نے سمجھا کہ چاند نکل آیا ہے؛ چنانچہ اس غلط فہمی کے نتیجے میں انہوں نے مذکورہ بالا تقریر کا ریکارڈ نشر کر دیا، جس میں مولانا نے کراچی کے باشندوں کو یہ خوش خبری سنائی تھی کہ ماہ رمضان شروع ہو گیا ہے، بعد میں ریڈیو پاکستان نے اپنی غلطی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے معذرت چاہی۔ (۲)

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۶۰/۱۵

(۲) اخبار روزنامہ سیاست کان پور ۱۸/ مارچ ۱۹۵۹ء مطابق ۸/ رمضان ۱۳۷۸ھ بہ حوالہ فتاویٰ

محمودیہ: ۱۱۵/۱۵



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

روزہ

سائرِن (Siren) توپ وغیرہ کی آواز پر سحری و افطار

سحری یا افطار کے وقت کو بتانے کے لیے آج کل سائرِن اور توپ کو استعمال کیا جاتا ہے اور لوگ اس پر اعتماد کر کے سحری اور افطار کرتے ہیں، یہ درست اور جائز ہے۔ توپ اور طبل کی آواز پر اعتماد کو فقہائے کرام نے صراحۃً جائز قرار دیا ہے؛ چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

عادل آدمی کے قول پر سحری کرنا درست ہے، اسی طرح طبل پر۔ (۱)

اسی طرح توپ کی آواز پر اعتماد کو بھی درست لکھا ہے۔ (۲)

مگر اس سلسلے میں علامہ شامی رحمۃ اللہ کے کلام سے بعض شرائط مستفاد ہوتی ہیں، ان کو دھیان میں رکھنا ضروری ہے۔ علامہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”إن المدفع في زماننا يفيد غلبة الظن ، وإن كان ضاربه فاسقاً ؛ لأن العادة أن الموقت يذهب إلى دار الحكم آخر النهار فيعين له وقت ضربه ويعينه أيضاً للوزير وغيره ، وإذا ضربه يكون ذالك بمراقبة الوزير وأعرانه للوقت المعين فيغلب على الظن بهذه القرائن

(۱) قال الشامي: يتسحر بقول عدل ، وكذا بضرب الطبول. (الشامي: ۳/۲۸۳)

(۲) قال: لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل لم يكفروا. (الشامي: ۳/۲۸۳)

عدم الخطأ و عدم قصد الفساد .“ (۱)

ترجمہ: ہمارے زمانے میں توپ سے ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کا اڑانے والا فاسق ہو؛ کیوں کہ توپ کو مقرر کرنے والا (حاکم یا قاضی امیر وغیرہ) دن کے آخر (افطار کے قریب) دارالحکم جا کر توپ اڑانے والے کو اس کا وقت بتاتا ہے اور پھر اس کے لیے وزیر وغیرہ کو بھی مقرر کرتا ہے اور جب وہ اڑاتا ہے، تو یہ وزیر اور اس کے اعوان و انصار کے سامنے ہوتا ہے اور وقت مقررہ پر ہوتا ہے، پس ان قرائن سے ظن غالب حاصل ہوتا ہے کہ یہاں خطا و غلطی یا فساد کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔

اس میں علامہ شامی رحمۃ اللہ جن قرائن کی بنیاد پر اس زمانے کے توپ سے غلبہ ظن کا حاصل ہو جانا مان کر، اس پر افطار کی اجازت دے رہے ہیں، ان سے ہم بھی استفادہ کر سکتے ہیں، سائرین میں بھی اور دیگر اس طرح کی چیزوں میں بھی۔

۱۔ ایک شرط تو یہ ہے کہ کسی اچھے دین دار آدمی کی طرف سے اس کا انتظام ہو، اگرچہ بجانے والا دین دار نہ ہو۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ اس کا منتظم کسی کو اس کے بجانے پر مقرر کیا ہوا ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ اس کے لیے وقت مقررہ پر بجانے کی شرط ہو۔

۴۔ چوتھے یہ کہ بجانے والا منتظم یا اس کی طرف سے مقرر کردہ اچھے آدمی کے سامنے بجائے؛ لہذا اگر کہیں سے آواز آئی اور ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ آواز کیوں اور

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۳/۳۸۳

کس لیے بجائی جا رہی ہے، تو اس پر روزہ افطار درست نہ ہوگا، اسی طرح ہم کو اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا باقاعدہ انتظام ہے، تو بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اسی پر مسجد کے مؤذن کی آواز کو بھی قیاس کرنا چاہیے اور چوں کہ ہمارے ان علاقوں میں اکثر اس قسم کا انتظام ہوتا ہے؛ اس لیے اس پر اعتماد درست ہے۔

سائرِن (Siren) توپ کی آواز، قہقہوں کی روشنی پر رمضان وعید

بعض جگہ رمضان کی آمد یا عید کے اعلان کے طور پر سائرِن یا توپ یا لائٹ استعمال کیے جاتے ہیں کہ لوگ سائرِن اور توپ کی آواز سے اور روشنی دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ رمضان یا عید کا چاند نظر آ گیا ہے، فقہاء کے کلام سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ نے علامہ شامی رحمۃ اللہ کی ایک عبارت، جس میں کہا گیا ہے کہ دیہات والوں کو قنديل وغیرہ دیکھ کر روزہ رکھ لینا ضروری ہے، نقل کر کے فرماتے ہیں:

”درست ہوگا (یعنی توپ کی آواز پر عید کرنا) اس وجہ سے کہ

توپیں چلنا موافقِ عادتِ شائعہ کے موجبِ ظنِ عید ہونے کے ہے

اور غلبہِ ظنِ عمل کے واسطے کافی ہے“۔ (۱)

توپ کی طرح اس زمانے میں سائرِن کی آواز اور بلب کی روشنی سے بھی ظنِ غالب حاصل ہو جاتا ہے کہ چاند ہو گیا؛ لہذا اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؛ مگر یہ صرف وہاں کے لیے حکم ہے، جہاں اس طرح کا رواج ہو، ورنہ یہ حکم نہ ہوگا۔

طویل الاوقات علاقوں میں روزے کے اوقات

انسانی آبادی کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے اب ان علاقوں اور خطوں کو بھی آباد کر دیا ہے، جو برس بابرس تک غیر آباد تھے اور لوگ وہاں ہونے کو ہلاکت و بربادی کا سبب قرار دیتے تھے؛ چنانچہ اب بعض ایسے علاقے بھی آباد ہو چکے ہیں، جہاں کئی کئی ماہ تک سورج طلوع نہیں ہوتا یا غروب نہیں ہوتا، ایسے لوگوں کے لیے جو وہاں آباد ہیں، روزے کے کیا اوقات ہوں گے؟ یہ سوال بہت اہمیت کا حامل ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ طویل الاوقات علاقے دو قسم کے ہیں: ایک وہ جہاں دن و رات کا مجموعہ چوبیس گھنٹوں کا ہوتا ہے، اگرچہ دن و رات کے اوقات میں تناسب نہ ہو؛ بل کہ فاحش فرق ہو، جیسے لندن (London) برطانیہ (Britain) کا گرمی کے موسم میں دن بہت بڑا ہوتا ہے، یعنی ۱۷/۱۸ گھنٹے کا دن ہوتا ہے، ایسے علاقوں میں روزہ اسی حساب سے رکھنا چاہیے، جیسے عام علاقوں میں رکھتے ہیں کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک؛ کیوں کہ ایسے علاقوں میں رہنے والوں کو اس کی عادت و مشق بھی ہوتی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔^(۱)

البتہ کمزور افراد کو اس کی برداشت نہ ہو سکے، تو ان کے لیے یہ اجازت ہو سکتی ہے کہ وہ دوسرے دنوں میں، مثلاً سردی کے دنوں میں قضا رکھ لیں، جیسا کہ مریض

(۱) چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں طویل کام فرما کر لکھتے ہیں کہ ”جس جگہ نہار کا طول بہ قدر تخل صوم ہو اور فطرۃ ان کا تحمل ہم سے زائد ہو۔ لأنہم معتادون بطول النهار، وطول اکثر الأعمال فیہ۔ وہاں روزہ رکھیں۔ (امداد الفتاوی: ۱/۵۰۴)

لوگوں کو اس کی اجازت ہے۔ (۱)

دوسرے وہ علاقے، جن کا شروع میں ذکر کیا گیا ہے کہ دن و رات کا مجموعہ کئی کئی مہینوں کا ہو، ان کا حکم یہ ہے کہ وہاں اندازہ کر کے مہینے کا اور پھر دن و رات کے اوقات کا تعین کر لیں اور اسی اندازے کے مطابق روزے پورے کریں، علامہ شامی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

” قال في ”إمداد الفتاح“ قلت: وكذلك يقدر لجميع الآجال كالصوم و الزكوة والحج والعدة وآجال بيع السلم و الإجارة و ينظر ابتداء اليوم فيقدر كل فصل من الفصول الأربعة بحسب ما يكون كل يوم من النقص و الزيادة ، كذا في كتب الأئمة الشافعية ، و نحن نقول بمثله ، إذ أصل التقدير مقول به إجماعاً في الصلوات“ (۲)

ترجمہ: ”امداد الفتاح“ میں لکھا ہے کہ اسی طرح تمام مدتوں کو اندازے سے مقرر کیا جائے گا، جیسے روزہ، زکاة، حج اور عدت کی مدتیں، بیع سلم و اجارہ کی مدتیں اور دن کی ابتدا کو دیکھا جائے گا، پھر (سال کی) چار فصلوں اور موسموں میں سے ہر ایک موسم کو دن کے

(۱) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کا رجحان بھی اسی جانب ہے؛ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ ”اور جہاں بہ قدر تحمل نہ ہو، وہاں اندازہ کر کے عدد پورا کریں اور بعد ادا اگر ایسے ایام مل جائیں، جس کا تحمل ہو سکے، تو احتیاطاً قضا بھی کر لیں اور اگر ایسے ایام نہ ملیں، تو وہی اندازے کے روزے کافی ہو جائیں گے“ (امداد الفتاوی: ۵۰۵/۲)

(۲) الشامی: ۲۳/۲

چھوٹے بڑے ہونے کے حساب سے اندازہ کیا جائے گا۔ (مثلاً):
گرمی کا دن بڑا ہوتا ہے اور سردی کا چھوٹا) اسی حساب سے مدت
مقرر کی جائے گی، شوافع کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے اور ہم حنفی
بھی اسی کے مطابق کہتے ہیں؛ کیوں کہ نمازوں کے بارے میں
اندازہ کرنے کی بات سب کے نزدیک کہی گئی ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ ایسے طویل الاوقات علاقوں سے متصل وہ علاقہ جہاں
معمولی اوقات ہیں، وہاں کے حساب سے روزہ و سحری و افطار سب کریں گے، کہ
جس دن وہاں روزہ شروع ہوا، اسی کے حساب سے یہاں روزہ رکھ لیں، پھر دن
ورات کی تقسیم گھنٹوں کے حساب سے کر کے، یہ دیکھ لیں کہ اس قریبی علاقے میں
غروب کے وقت یہاں کتنے بجے ہیں اور سحری کے وقت یہاں کتنے بجے ہیں، اسی
کے حساب سے سحری و افطاری کریں۔^(۱)

یہاں بعض علما نے احتیاطاً یہ بھی کہا ہے کہ ایسے طویل الاوقات علاقے میں
جہاں ہمیشہ اوقات کا مسئلہ ایسا ہی رہتا ہے، وہاں اوپر کی صورت پر عمل کریں، تو
روزے ادا ہو جائیں گے اور اگر بعض موسموں میں ایسا ہوتا ہے اور رمضان ایسے ہی
طویل الاوقات دنوں میں آگیا، تو وہاں کے لوگوں پر اداء روزے فرض نہیں؛ بل کہ
دوسرے معمولی ایام میں ان کی قضا کر لیں۔^(۲)

اور اگر ان دنوں میں روزہ رکھ لیں، تو پھر احتیاطاً معمولی دنوں میں بھی قضا
کر لیں۔^(۳)

(۱) اس کے لیے دیکھیے: امداد الفتاویٰ ۱/۵۰۴-۵۰۵

(۲) حضرت تھانوی کی یہی رائے ہے، امداد الفتاویٰ ۱/۵۰۵

(۳) امداد الفتاویٰ ۱/۵۰۵

ایک ملک سے دوسرے ملک کے سفر سے روزے وعید میں فرق

زمانہ حال نے ہوائی جہاز کے سفر کو جس قدر آسان اور عام کر دیا ہے، اس کے نتیجے میں اب ساری دنیا ایک ملک ہی نہیں، ایک شہر؛ بل کہ گھر و آنگن کا مصداق نظر آتی ہے، اس صورت حال نے ایک مسئلہ یہ پیدا کر دیا ہے کہ

۱۔ ایک شخص ایک دور دراز علاقے مثلاً: سعودی عرب یا امریکہ میں تھا، جہاں رمضان کا چاند مثلاً ہندوستان کے حساب سے ایک یا دو دن پہلے ہوا، اس کے بعد یہ شخص وہاں سے درمیانِ رمضان میں ہندوستان آگیا، اب یہ شخص اپنے حساب کے مطابق روزے پورے کر لے یا ہندوستان کے حساب کے مطابق سب کے ساتھ روزہ رکھ کر سب کے ساتھ عید کرے؟

اس سلسلے میں قدیم فقہائے کرام کا کوئی کلام نہیں مل سکا؛ البتہ فقہاء کے بیان کردہ اس جزیئے سے اس کا حکم مستنبط ہو سکتا ہے کہ اگر کسی نے چاند دیکھا؛ مگر اس کی گواہی اور خبر رد کر دی گئی، تو وہ شخص خود تو روزہ رکھے گا؛ مگر عید سب کے ساتھ کرے گا، اگرچہ ایک دن بڑھ جائے۔^(۱)

اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس شخص کو سب کے ساتھ عید کرنا چاہیے اور زائد روزہ بھی رکھنا چاہیے اور حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ نے شوافع کے ایک قول سے اس کا حکم مستنبط کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

(۱) قال أبو البركات النسفي: "ومن رأى هلال رمضان أو الفطر، و رد قوله صام". (الكنز مع البحر: ۲/۴۶۰-۴۸۴)

وفي الدر المختار: [رأى] مكلف [هلال رمضان أو الفطر و رد قوله] بدليل شرعي [صام] مطلقاً وجوباً، وقيل: ندباً. (الدر المختار مع الشامي: ۳/۳۵۱)

”ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص ہمارے ملک کے لوگوں کی اتباع کرے، اس کی نظیر شافعیہ کا یہ قول ہے کہ جو شخص ایک شہر میں ظہر کی نماز پڑھ کر، اس کے فوراً بعد ایک ایسے شہر میں آ گیا، جہاں ابھی ظہر کا وقت نہیں آیا تھا، تو وہ شخص ان دوسرے شہر والوں کے ساتھ بھی (ظہر کی) نماز دوبارہ پڑھے گا۔“ (۱)

لہذا اس شخص کو چاہیے کہ یہاں سب کے ساتھ روزہ رکھے اور سب کے ساتھ عید کرے، خواہ کچھ روزے زیادہ ہو جائیں۔

۲۔ اسی سے اس کے برعکس صورت کا حکم بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک شخص مثلاً ہندوستان سے ایسے ملک گیا، جہاں دو ایک دن پہلے سے روزے شروع ہو چکے تھے اور وہاں کے لوگوں کے لحاظ سے اس شخص کے روزے کم ہو جائیں، تو اس کے بارے میں ایک سوال یہ ہے کہ جب یہاں کے لوگ اپنے حساب سے عید کریں، تو یہ شخص کیا ان کے ساتھ عید کرے یا نہ کرے؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ اس کے روزوں میں جو کمی ہے، اس کا کیا کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کو عید ان ہی لوگوں کے ساتھ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ آدمی جس جگہ ہوتا ہے، وہیں کے لوگوں کے ساتھ اس کا صوم و افطار ہوتا ہے۔

حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

«الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون

والأضحى يوم تضحون.» (۲)

لہذا اس شخص کو وہیں کے مسلمانوں کے ساتھ عید کرنا چاہیے اور جو روزوں میں

(۱) معارف السنن: ۳۳۷/۵

(۲) الترمذی: ۶۹۷، دارقطنی: ۲۱۸۱

کمی ہے اس کو قضا کے ذریعے پورا کرنا چاہیے، اگر ایک روزے کی کمی ہے، تو ایک اور دو کی تو دو روزے قضا کرے۔

شیخ العثیمین نے لکھا ہے کہ:

”إذا سافر الرجل من بلد إلى بلد ، اختلف مطلع الهلال فيهما ، فالقاعدة أن يكون صيامه و إفطاره حسب البلد الذي هو فيه حين ثبوت الشهر ؛ لكن إن نقصت أيام صيامه عن تسعة و عشرين يوماً ، فالواجب عليه إكمال تسعة و عشرين يوماً لأن الشهر الهلالي لا يمكن أن ينقص عن تسعة و عشرين يوماً“ (۱)

مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ نے ”احسن الفتاویٰ“ میں اس دوسرے مسئلے میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ (۲)

اس کے بعد ”فتاویٰ ابن تیمیہ“ دیکھا تو ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے بھی ضمناً بحث کرتے ہوئے، اس مسئلے میں تقریباً یہی لکھا ہے۔ (۳)

۳۔ اس سلسلے میں ایک صورت یہ پیش آتی ہے کہ ایک شخص ایک ملک مثلاً سعودی عرب میں عید کر کے چلا اور دوسرے ملک مثلاً ہندوستان پہنچا، تو یہاں اسی

(۱) فتاویٰ الشیخ العثیمین: ۹/۶۹۱

(۲) چنانچہ استثنا کیا گیا کہ: مکہ مکرمہ میں پاکستان سے ایک یا دو روز قبل چاند دکھائی دیتا ہے، پس اگر کوئی پاکستان سے مکہ مکرمہ جائے، تو اس کے اٹھائیس ہی روزے ہوئے، اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ”دوسری صورت میں ایسا مکہ کے ساتھ عید کرے اور ایک روزہ قضا رکھے۔“ (احسن الفتاویٰ: ۴/۴۳۳)

(۳) مجموعۃ الفتاویٰ: ۲۵/۱۰۶

دن عید ہو رہی ہے، تو کیا کرے؟ ظاہر یہی ہے کہ یہ شخص یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید میں شامل ہو جائے۔

۴۔ اس سلسلہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک جگہ سے عید کر کے ایک شخص دوسرے علاقے کو پہنچا اور وہاں ابھی عید نہیں ہوئی تھی؛ بل کہ رمضان ہی چل رہا تھا، مثلاً: سعودی عرب سے عید کر کے اسی دن ہندوستان یا پاکستان پہنچا اور ہندوستان یا پاکستان میں ابھی انتیسواں ۲۹ روزہ تھا، تو اس شخص کو کیا کرنا چاہیے؟ روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں؟ اور یہ کہ دوبارہ یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید کرنا چاہیے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اس کو اب روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ اس کے روزے اور عید سب ہو چکے ہیں، ہاں! یہاں کے لوگوں کے ساتھ اس کو عید میں شامل ہو جانا چاہیے۔ (۱)

۵۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص ایک ملک میں رہتے ہوئے انتیس ۲۹ روزے رکھا اور انتیس ۲۹ کی شام میں اعلان ہوا کہ یہاں چاند نہیں ہوا؛ لہذا کل کا روزہ ہوگا، یہ شخص اسی رات وہاں سے سفر کر کے دوسرے ملک میں پہنچا، جہاں معلوم ہوا کہ چاند ہو گیا اور صبح عید ہے، اب یہ شخص کیا کرے، یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید کرے یا پہلے ملک کے حساب سے روزہ رکھے؟ علامہ شمیم نے جواب لکھا ہے کہ یہ شخص یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید کرے گا اور اگر اس کے روزے یہاں کے حساب سے کم ہیں، تو ان کو قضا کرے گا۔ (۲)

(۱) فتاویٰ الشیخ العثیمین: ۲/۱۹

(۲) فتاویٰ الشیخ العثیمین: ۲/۱۹

روزے میں انجکشن (Injection) کا حکم

روزے کی حالت میں انجکشن (Injection) کے سلسلے میں اولاً دو باتیں قابل غور ہیں:

- ۱- ایک انجکشن کی صورت کے بارے میں کہ اس کا کیا اثر روزے پر پڑتا ہے؟
 - ۲- دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ انجکشن کس مقصد کے لیے لگایا جا رہا ہے؟ اور مقصد کے مختلف ہونے کے لحاظ سے اس کے شرعی حکم میں کیا فرق پڑتا ہے؟
- (۱) جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے، اہل طب نے بھی یہ بات واضح کر دی ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ انجکشن میں سے بعض براہ راست گوشت میں اور بعض گوشت و پوست کے درمیان میں اور بعض راست طور پر پیٹ میں اور اکثر رگوں میں لگائے جاتے ہیں؛ لہذا اب غور یہ کرنا ہوگا کہ ان میں سے کون سے انجکشن کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انجکشن خواہ رگوں میں دیا جائے، (جیسے عام بیماریوں کے اندر ہوتا ہے) یا گوشت یا پوست میں لگایا جائے، جیسے ذیابیطس (Dibetics) کے مریضوں کو ”انسولین“ (Insuline) پوست کے اندر لگاتے ہیں۔ یا پیٹ میں لگایا جائے، جیسے کتا کاٹے ہوئے کو پیٹ میں لگاتے ہیں؛ سب کا حکم ایک ہے کہ ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

اس مسئلے میں اگرچہ فقہائے معاصرین کے مابین اختلاف واقع ہوا ہے، تاہم جمہور علما کا فتویٰ و فیصلہ یہ ہے کہ اس کا روزہ باقی ہے، فاسد نہیں ہوا۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمۃ اللہ نے ”فتاویٰ دارالعلوم“ میں حضرت

مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ نے ”امداد الفتاویٰ“ میں اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ نے اپنے متعدد فتاویٰ اور رسالہ ”آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام“ اور رسالہ ”کلمۃ القوم فی الإنجکشن فی الصوم“ میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اسی طرح علمائے عرب میں سے اکثر کی رائے یہی ہے، علامہ شیخ عبداللہ بن باز، شیخ العثیمین، شیخ فوزان رحمہم اللہ وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ فقہاء کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے، جب صورۃً یا معنیً افطار پایا جائے؛ صورۃً افطار یہ ہے کہ منہ سے کوئی چیز نکل کر جوفِ معدہ میں پہنچائی جائے اور معنیً افطار یہ ہے کہ جوف میں ایسی چیز پہنچائی جائے، جس میں بدن کے لیے فائدہ و نفع ہو، خواہ وہ غذا ہو یا دوا ہو؛ پھر جوف تک پہنچانے کی شرط یہ ہے کہ منفذِ اصلی کے ذریعے پہنچائی جائے؛ جب یہ باتیں پائی جائیں، تو روزہ فاسد ہوگا، ورنہ روزہ باقی رہے گا، یہ تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضراتِ فقہاء کے مطابق روزہ اس وقت فاسد ہوتا ہے، جب کہ روزے کو توڑنے والی چیز، جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ میں پہنچے یا پہنچائی جائے اور یہ پہنچنا یا پہنچانا بھی ”منفذِ اصلی“ کے ذریعے ہو؛ جب یہ دو باتیں پائی جائیں، تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں، یعنی اگر روزے کو توڑنے والی چیز جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ میں نہیں گئی یا گئی مگر ”منفذِ اصلی“ کے ذریعے نہیں گئی، تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔

اس اصول پر غور کریں کہ انجکشن میں صورتِ افطار تو نہیں پائی جاتی؛ کیوں کہ انجکشن میں منہ سے دوا نہیں پہنچائی جاتی؛ بل کہ جیسا کہ معلوم ہے رگوں یا گوشت سے دوا داخل کی جاتی ہے، ہاں! انجکشن میں معنیً افطار پائے جاتے ہیں؛ کیوں کہ بدن کے لیے فائدہ مند چیز ”دوا یا غذا“ جوف میں پہنچائی جاتی ہے؛ مگر اس کی جو

شرط ہے کہ یہ پہنچانا ”منفذِ اصلی“ کے ذریعے ہو، یہ بات اس میں متحقق نہیں، اس لیے انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

فقہاء کے کلام میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ معنی افطار پائے جانے کے باوجود، منفذِ اصلی کے ذریعے جو ف میں نہ پہنچنے کی بنا پر اس کو غیر مفسد مانا گیا ہے۔

(۱) فقہاء نے روزے میں سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے، اگرچہ کہ سرمے کا اثر حلق میں محسوس ہو؛ کیوں کہ یہ سرمہ حلق میں کسی منفذِ اصلی سے نہیں پہنچا؛ بل کہ مسامات سے پہنچا ہے اور آنکھ میں اور معدے یا دماغ کے مابین کوئی منفذ نہیں ہے۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ ”بدائع الصنائع“ میں آنکھوں میں سرمہ ڈالنے کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے، اس کے جواز کی دلیل اس طرح بیان کرتے ہیں:

”ولأنه لا منفذ من العين إلى الجوف ، ولا إلى

الدماغ ، وما وجد من طعمه فذاک أثره ، لا عينه ، وأنه

لا یفسد كالغبار والدخان“ . (۱)

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ سرمہ لگانے کے مسئلے پر وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

” قال في النهر : لأن الموجود في حلقه أثر داخل من

المسام الذي هو خلل البدن ، والمفطر إنما هو الداخل

من المنافذ ، للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد

في باطنه أنه لا يفطر . (۲)

(۱) بدائع الصنائع: ۲/ ۲۳۷

(۲) الشامی: ۳/ ۳۶۷

ان عبارات سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ محض جوف میں کسی چیز کا پہنچ جانا مفسدِ صوم نہیں ہے؛ بل کہ منفذِ اصلی سے پہنچنا مفسدِ صوم ہے، اسی لیے سرمہ اگرچہ آنکھوں میں ڈالنے کے بعد حلق میں محسوس ہو، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

(۲) فقہانے روزے کی حالت میں سر میں تیل ڈالنے اور اعضائے بدن پر تیل لگانے کو جائز کہا ہے؛ حال آں کہ اس سے تیل بدن کے اندر پہنچتا ہے اور اس کی تری اندر محسوس بھی کی جاتی ہے؛ مگر چوں کہ ”منفذِ اصلی“ سے نہیں پہنچتا اور اصل و عین چیز نہیں پہنچتی؛ بل کہ اس کا اثر پہنچتا ہے؛ اس لیے اس کو مفسدِ صوم نہیں مانا گیا۔

چنانچہ علامہ کا سانی رحمۃ اللہ کہتے ہیں:

”و كذا لو دهن رأسه وأعضاءه ، فتشرب فيه أنه

لا يضره ؛ لأنه وصل إليه الأثر لا العين“ (۱)

اور علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

”أو ادهن لم يفسد صومه ، كما لو اغتسل ووجد

برد الماء في كبده أو اكتحل ولو وجد طعمه في حلقه

أو لونه في بزاقه أو نخامته في الأصح ، وهو قول الأكثر،

.... آگے چل کر فرماتے ہیں..... ولو وضع في عينه لبناً أو

دواء مع الدهن فوجد طعمه في حلقه لا يفسد صومه إذ

لا عبرة مما يكون من المسام“ (۲)

(۳) غسل کرنے یا پانی سے بھگو یا ہوا کپڑا سر یا بدن پر لپیٹنے سے بھی روزہ

فاسد نہیں ہوتا؛ حال آں کہ اس عمل سے پانی کی ٹھنڈک و تری داخل بدن محسوس

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۲۳۷

(۲) مراقی الفلاح: ۲۳۶

ہوتی ہے؛ وجہ اس کی بھی یہی ہے کہ اس کا اثر بدن میں جو محسوس کیا جاتا ہے، وہ دراصل مسامات کے ذریعے پہنچتا ہے، کسی منفذ اصلی سے نہیں پہنچتا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ کہتے ہیں:

”والمفطر أنما هو الداخل من المنافذ، لا تفاق على

أن من اغتسل في ماء، فوجد في باطنه أنه لا يفطر. (۱)

(۴) فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو پیٹ میں یا سر کے اندر زخم ہو جائے اور وہ اس زخم میں اندر دوا پہنچائے، تو اس سے اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا؛ لیکن ان کے علاوہ کسی اور جگہ زخم ہو اور وہاں دوائی لگائی جائے، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

علامہ نسفی رحمۃ اللہ نے ”کنز الدقائق“ میں فرمایا کہ

”داوی جائفة أو آمة بدواء ووصل الدواء الى جوفه

أو دماغه أفطر. (۲)

اس کی وجہ یہی ہے کہ پیٹ کا زخم، جس کو ”جائفة“ کہتے ہیں، اس میں دوا ڈالنے سے وہ جوفِ معدے میں پہنچ جاتی ہے اور سر کے اندر دماغ کے زخم میں دوا ڈالی جائے، تو وہ جوفِ دماغ میں پہنچتی ہے؛ اس لیے اس کو مفسد قرار دیا گیا۔

(۵) مرد کی پیشاب گاہ میں اگر کوئی دوا ٹپکائی جائے اور وہ مثانے تک پہنچ جائے، تو فقہاء میں اختلاف ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ روزہ فاسد نہ ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مثانہ اور

(۱) الشامی: ۳/۳۶۷

(۲) الكنز مع البحر: ۲/۴۸۸

جوفِ بطن میں کوئی منفذِ اصلی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے؛ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں کوئی راستہ و منفذ نہیں ہے؛ جب کہ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ان میں منفذ ہے۔

یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ یہ بات ہر کس و نا کس محسوس کرتا ہے کہ پیشاب معدے ہی سے چل کر مثانے میں آتا ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے اس سے یہ سمجھا کہ دونوں کے درمیان منفذ ہے؛ اس لیے پیشاب معدے سے مثانے میں آتا ہے؛ مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے کہا کہ نہیں؛ بل کہ پیشاب کا معدے سے مثانے میں آنا منفذ سے نہیں؛ بل کہ مسامات سے ہوتا ہے، وہ مسامات سے رس کر مثانے میں جمع ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ پیشاب واپس معدے میں نہیں جاسکتا، اگر وہاں منفذ ہوتا، تو جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس بھی جاسکتا؛ مگر ایسا نہیں ہے۔

ابن نجیم مصری نے اسی مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ

”وہو مبني على أنه هل بين المثانة والجوف منفذ أم لا؟ وهو ليس باختلاف فيه على التحقيق، فقالا: لا! ووصول البول من المعدة إلى المثانة بالترشح، وما يخرج رشحاً لا يعود رشحاً، كأجرة إذا شُدَّ رأسها، وألقى في الحوض يخرج منها الماء، ولا يدخل فيها“ (۱)

اور شامی رحمۃ اللہ نے کہا کہ

”والاختلاف مبني على أنه هل بين المثانة والجوف منفذ أم لا؟ وهو ليس باختلاف على التحقيق والأظهر أنه لا منفذ له، وإنما يجتمع البول فيها بالترشح كذا

يقول الأطباء: (۱)

معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں اختلاف دراصل جوفِ بطن و مثانے میں منفذ کے ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف پر مبنی ہے، اس سے اتنی بات معلوم ہو گئی کہ اگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی یہ بات ثابت ہو جاتی کہ ان دو کے درمیان منفذ نہیں ہے، تو وہ بھی یہی کہتے کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ محقق ہو جاتا کہ دونوں میں منفذ ہے، تو وہ بھی یہی فرماتے کہ روزہ فاسد ہو جائے گا۔

الغرض ! یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مخارقِ اصلیہ و منافذِ اصلیہ سے جو چیز ڈالی جائے اور وہ جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ میں پہنچ جائے، وہی مفسدِ صوم ہے؛ بل کہ فقہاء کے کلام سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ کسی چیز کے مفسدِ صوم ہونے میں اصل جوفِ معدہ ہے کہ اگر اس میں کوئی چیز پہنچ جائے، تو روزہ فاسد ہوگا اور جوفِ دماغ میں پہنچنے کو اس لیے مفسدِ صوم مانا گیا ہے کہ جوفِ معدہ اور جوفِ دماغ کے مابین بھی منفذِ اصلی موجود ہے؛ لہذا جو چیز دماغ میں پہنچے گی، وہ اس منفذ کے ذریعے معدے میں بھی پہنچ جائے گی۔

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ

” وفي التحقيق : أن بين الجوفين منفذاً أصلياً، فما

وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن “ (۲)

اور شامی رحمۃ اللہ نے اسی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

(۱) الشامی: ۳/۳۷۲

(۲) البحر الرائق: ۲/۳۸۸

” قال في البحر: و التحقيق أن بين الجوفين منفذاً أصلياً ، فما وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن“ (۱)

الغرض! ان سب سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ محض کسی چیز کے بدن میں پہنچنے یا پہنچانے سے روزہ فاسد نہیں ہو جاتا؛ بل کہ اس وقت فاسد ہوتا ہے، جب کہ دو باتیں پائی جائیں: ایک یہ کہ وہ چیز جوفِ بطن میں پہنچے اور دوسرے یہ کہ ”منفذِ اصلی“ کے ذریعے پہنچے۔

اس سلسلے میں ”بدائع الصنائع“ میں علامہ کا سانی رحمۃ اللہ کی ایک عبارت بالکل صاف و واضح ہے، وہ فرماتے ہیں:

” وما وصل إلى الجوف أو الدماغ من المخارق الأصلية ، كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه ، فوصل إلى الجوف أو الدماغ ، فسد صومه . أما إذا وصل إلى الجوف ، فلا شك فيه لوجود الأكل من حيث الصورة ؛ وكذا إذا وصل إلى الدماغ لأن له منفذاً إلى الجوف ، فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف وأما ما وصل إلى الجوف أو الدماغ من غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة ، فإن داواها بدواء يابس لا يفسد ؛ لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ ولو علم أنه وصل يفسد في قول أبي حنيفة رحمه الله“ (۲)

(۱) الشامی: ۳/۳۷۶

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۲۲۷

جب یہ بات معلوم ہو گئی، تو اب یہ دیکھنا چاہیے کہ عام طور پر جو انجکشن لگائے جاتے ہیں، وہ رگوں میں دیے جاتے ہیں اور یہ رگیں، نہ تو جوف ہیں اور نہ منفذِ اصلی؛ اسی طرح گوشت میں یا گوشت و پوست کے درمیان میں جو انجکشن لگائے جاتے ہیں، وہ بھی منفذِ اصلیہ میں نہیں ہے؛ لہذا مسئلہ صاف ہو گیا کہ انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

اس کے بعد آئیے، انجکشن کے مقصد کے لحاظ سے انجکشن کا حکم معلوم کرتے ہیں: انجکشن کبھی تو بیماری میں ضرورت کی وجہ سے لیا جاتا ہے، تاکہ اس کے ذریعے دوائی بدن میں پہنچائی جاسکے اور کبھی محض اس لیے لیا جاتا ہے کہ بدن میں قوت و طاقت پیدا ہو اور اس کے لیے غذا پہنچائی جائے؛ مگر روزے کے فاسد ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے اس میں وہی بات ملحوظ رکھنا چاہیے، جو اوپر عرض کی گئی کہ انجکشن منفذِ اصلی سے نہیں دیا جاتا؛ اس لیے انجکشن کی کسی بھی صورت میں اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، خواہ مقصد دوائی ضرورت ہو یا غذائی ضرورت؛ کیوں کہ روزے کے فاسد ہونے کی علت نہیں پائی گئی، جیسا کہ تفصیلاً عرض کیا گیا۔

ہاں! انجکشن لگانے کے مقصد کے پیش نظر اس کے جائز ہونے یا مکروہ ہونے میں اختلاف ہو سکتا ہے، کہ بلا ضرورت روزے میں انجکشن لینا مکروہ ہوگا اور ضرورت میں لینا مکروہ نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ دوا تو ضرورت ہے؛ مگر غذا روزے کی حالت میں کوئی ضرورت نہیں؛ بل کہ روزے کی حقیقت کے خلاف ہے؛ لہذا اول صورت مکروہ نہیں اور دوسری صورت مکروہ ہوگی۔

اور اس کی فقہی نظیر یہ ہے کہ فقہانے لکھا ہے کہ ”روزے کی حالت میں اطمینان حاصل کرنے کی غرض سے غسل کرنے، بھیگے ہوئے کپڑے بدن یا سر پر لپیٹنے اور

سر پر پانی ڈالنے کی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے اجازت دی ہے؛ مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ روزے میں اس طرح کرنا گویا بے چینی و پریشانی کا اظہار ہے اور یہ بات کراہت سے خالی نہیں۔

امام شامی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ

” وَإِنَّمَا كَرِهَ الْإِمَامُ الدَّخُولَ فِي الْمَاءِ وَالتَّلْفُفَ

بِالثُّوبِ الْمَبْلُوثِ لِمَا فِيهَا مِنْ إِظْهَارِ الضَّجَرِ فِي إِقَامَةِ

الْعِبَادَةِ لَا لِأَنَّهُ مَفْطَرٌ“ (۱)

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک تو یہ کہ روزے میں پانی کا جسم پر یا سر پر ڈالنا، غسل کرنا، جسم پر کپڑا لپیٹنا؛ مفسد و مفطر صوم نہیں۔ دوسرے یہ کہ امام صاحب رحمۃ اللہ نے اس کو مکروہ اس لیے کہا ہے کہ اس عمل سے عبادت سے بے چینی کا اظہار ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح جب کوئی بلا ضرورت ایسا انجکشن لیتا ہے، جو غذا فراہم کرتا ہے، تو اس سے بھی اگرچہ کہ روزہ نہیں ٹوٹتا؛ لیکن روزے سے پریشانی و بے چینی کا مظاہرہ ہوتا ہے؛ اس لیے یہ مکروہ ہوگا، اس کے برخلاف دوا کے طور پر انجکشن لینا ایک ضرورت ہے اور اس سے روزہ رکھنے میں سہولت ہوتی ہے اور پریشانی سے حفاظت کا سامان ہوتا ہے؛ اس لیے دوا کے طور پر لینا بلا کراہت جائز ہے، جیسے پانی سے تر کیا ہوا کپڑا سر یا بدن پر لپیٹنا ضرورت پر جائز ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

(۱) الشامی: ۳/۳۶۷، البحر الرائق: ۲/۴۷۱

علامہ شامی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ ”اسی پر فتویٰ ہے“؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں پیاس کی وجہ سے یا گرمی کی وجہ سے سر پر پانی ڈالا تھا۔ اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما روزے کی حالت میں کپڑا بھگو کر اپنے اوپر لپیٹ لیتے تھے۔ (۱)

اور علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ

”عن أبي حنيفة رحمه الله أنه يكره للصائم المضمضة والاستنشاق لغير الوضوء ، ولا بأس به للوضوء وكره الاغتسال وصب الماء على الرأس والاستنقاغ في الماء والتلف بالثوب المبلول ؛ لأنه اظهار الضجر عن العبادة . وقال أبو يوسف رحمه الله : لا يكره وهو الأظهر لما روي أن النبي صلى الله عليه وسلم صب على رأسه ماء من شدة الحر وهو صائم ؛ ولأن فيه إظهار ضعف بنيتہ وعجز بشریتہ ، فإن الإنسان خلق ضعيفاً لا إظهار الضجر“ . (۲)

(۱) الشامی: ۳/۴۰۰

(۲) البحر الرائق: ۲/۴۹۰

یہاں حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ کا ”مسئلہ انجکشن“ سے متعلق ایک قیمتی فتویٰ ملا، جو بہت سے شبہات کا جواب بھی ہے اور اس مسئلے کی سیر حاصل بحث بھی، اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:

سوال

میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ ایک معاملے میں اپنی تسکین کر لوں اور آپ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاؤں، امید کہ آپ بہ ذاتِ خود تکلیف و توجہ فرما کر جواب مرحمت فرمائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ ابھی دیوبند کے دارالعلوم سے انگریزی میں ایک رسالہ رمضان المبارک پر شائع ہوا ہے، یہ رسالہ مہتمم جناب قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ کی جانب سے ہے؛ اس لیے اس کی بڑی اہمیت ہے، اس میں لکھا ہے کہ ”انجکشن لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، صرف دوا استنجا کیے گئے ہیں: ۱۔ اگر زخم کر کے پانی پیٹ میں لے جایا جائے۔ ۲۔ براہِ راست دماغ میں دوا لے جائی جائے۔“ بقیہ انجکشن کو عمومیت کے ساتھ جائز کہا گیا ہے؛ اس میں مجھے شبہ گذرتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ معاملہ مزید توجہ کا محتاج ہے۔

اسی رسالے میں روزے کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ”کھانے پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا“۔ ایک زمانے میں کھانے کا طریقہ صرف یہ تھا کہ حلق کے راستے سے کھانا پیٹ میں ڈالا جائے اور پینے کا بھی یہی طریقہ تھا کہ پانی حلق کے راستے سے پیٹ میں ڈالا جائے؛ مگر سائنس کی ترقی نے نئے نئے طریقے ایجاد کیے ہیں، انہوں نے دریافت کیا کہ کھانا پیٹ میں جا کر کیا کام دیتا ہے، کھانا معدے میں ہضم ہونے کے بعد اس کا جوہر خون بن کر رگوں میں رواں ہوتا ہے۔

لہذا ایسے مریضوں کو، جو منہ سے کھا نہیں سکتے، رگوں کے انجکشن کے ذریعے کھانا پہنچایا جاتا ہے؛ بل کہ براہِ راست خون بھی رگوں میں پہنچا دیا جاتا ہے اور عرصے تک اسی طرح مریض کو وہ جوہر رگوں میں پہنچا کر۔ جو کھانے کا مقصد ہے۔ بلا کھانا کھلائے رکھا جاتا ہے۔

اسی طرح پانی پینے کا ایک مقصد رگوں کو سیراب کرنا ہے، ایک کافی مقدار پانی کی ہر انسانی جسم میں موجود رہنی ضروری ہے اور اگر وہ موجود نہ رہے، تو انسان مر جائے؛ اس لیے پیئے کا مرض

پانی کی کمی سے ہوتا ہے، دستوں کے راستے اس کے جسم کا پانی نکل جاتا ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ رگ کاٹ کر پانی براہ راست رگوں میں بھر دیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ رگ کاٹ کر پانی میں نہیں ڈالا جاتا ہے؛ بلکہ رگوں میں بھرا جاتا ہے، اگر ناک کے ذریعے ٹیوب (Tube) ڈال کر پیٹ میں پانی ڈالا جائے، تو ڈالا جاسکتا ہے؛ مگر معدے میں سوئے ہضم ہے اور جب تک پانی تحلیل ہو کر رگوں کو سیراب کرے گا، مریض ختم ہو جائے گا؛ لہذا براہ راست پانی رگوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔

یہ دو مثالیں میں نے دی ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض انجکشن غذا کا بعض پانی کا مقصد ادا کرتے ہیں، تمثیل کے لیے حسب ذیل باتوں پر نگاہ فرمائی جائے۔

(۱) گلوکوز ۲۵/۰، ۱۰۰، ۲۰۰، ۵۰۰ سی سی کارگوں کے ذریعے انجکشن کھانے کا کام دے گا۔

(۲) رگ کو کاٹ کر دوسیر چار سیر پانی براہ راست رگوں میں بھر دیا جائے، یہ طریقہ پینے کا کام دے گا۔

(۳) رگوں کے ذریعے خون جسم کے اندر ڈال دیا جائے، یہ طریقہ طویل اور پیچیدہ راستے کو ترک کر کے براہ راست غذا کا مقصد پورا کرتا ہے، یہ سب انجکشن ہیں اور عمومیت کے پیش نظر سوال یہ ہے کہ ”کیا یہ سب جائز ہیں اور اگر یہ جائز ہیں، تو ہر آدمی کھانا کھانے کے بہ جائے ۵۰ سی سی گلوکوز انجکشن لے لے، کھانے کا مقصد حل ہو جائے اور بلا روزے کا مقصد پورا کیے روزہ دار کہا جائے گا۔“

لہذا اتماس ہے کہ آپ مندرجہ بالا امور پر میری تشفی فرمائیں، میں جناب والا کی اس عنایت و کرم فرمائی کا بہت ممنون ہوں گا،
والسلام

الجواب

حامد اومصلیٰ؛

روزے کی نقل کردہ تعریف: کھانے، پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا۔

انجکشن سے (چاہے وہ ۵۰/سی-سی کا یا اس سے کم زائد کا) اس تعریف میں خلل نہیں آتا، کھانا، پینا بدیہی ہے، انجکشن کو کھانا پینا نہیں کہا جاتا، رگ کاٹ کر پانی عروق (رگوں) میں پہنچانے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے، یعنی رگوں کو تراور سیراب کرنا، وہ فائدہ گوپورانہ سہی؛ لیکن کافی مقدار میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے میں، غوطہ لگانے، ایرکنڈیشنڈ جگہ میں داخل ہونے، سبز و شاداب مقام پر پہنچ جانے سے بھی حاصل ہوتا ہے؛ سر اور بدن پر تیل کی مالش سے بھی تیل اندر پہنچتا ہے اور رگوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ شدت گرمی کی وجہ سے کپڑا بھگو کر حالت صوم میں سر پر لپیٹنا حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، ظاہر ہے کہ مقصد کے خلاف ہے، یونانی اطباء بعض امراض کے علاج میں بھپارہ دیتے ہیں، جس سے مسامات کھل کر دوا کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں اور اکثر مسامات سے ہی پسینے کے راستے امراض باہر آ جاتے ہیں اور کبھی مادہ کثیفہ کو رقیق بنا کر بہ ضرورت اسہال یا پلٹس مادہ خارج کر دیا جاتا ہے۔

غرض کہ جو فائدہ خلق کی راہ سے دوا کو جو فائدے میں پہنچانے سے حاصل ہوتا ہے، وہی بھپارہ دینے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ طریقہ علاج طب قدیم میں موجود ہے، جدید انکشاف نہیں، فقہاء و مجتہدین اس سے خوب واقف ہیں؛ مگر اس کو مفسد صوم نہیں قرار دیا، آج سائنس کی ترقی کی وجہ سے اگر ڈاکٹر پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا یقین کیا جاتا ہے کہ رگوں کے ذریعے پانی جسم میں پہنچانے سے پینے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور خون رگوں میں پہنچانے سے کھانے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور بعض مریضوں پر تجربہ اس کا مؤید بھی ہے، تو آج سے چودہ سو سال پہلے صادق و مصدوق ﷺ نے خبر دی ہے کہ سبحان اللہ، الحمد للہ، کھانے کا مقصد حاصل کرنے کے لیے مفید ہے اور جاں نثار پیروی کرنے والوں کو اس کا تجربہ بھی ہے، یہ یقین و اعتقاد بہت زیادہ قوی ہے، سائنس اور ڈاکٹروں کے یقین و اعتماد سے؛ تو کیا اس کو بھی مفسد صوم قرار دیا جائے گا؟

غیبت کو قرآن پاک نے اکل فرمایا ہے:

﴿أَكْبَحُ أَخَذْتُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ﴾ (التجرات: ۱۲)

اور بعض کے متعلق تجربہ تھے کہ ان کے مشاہدہ کرنا بھی حدیث شریف میں مذکور ہے؛ کیا یہ بھی مفسدِ صوم ہے؟

بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں مشاہدہ اکل و شرب ہے؛ مگر مقصدِ اکل و شرب اس پر کچھ مرتب نہیں ہوتا، پھر بھی وہ مفسدِ صوم ہے، مثلاً کسی نے ایک تل کھالیا، اس سے بھوک بھی کچھ بھی دفع نہیں ہوتی؛ مگر روزہ فاسد ہو گیا! اور اگر بھول کر کھاپی لیا، تو حقیقتہً اکل و شرب بھی پایا گیا اور مقصد بھی پورا ہو گیا؛ لیکن روزہ فاسد نہیں ہوا۔

بعض ایسی صورتیں بھی ہیں کہ خوف میں ایسی چیز داخل ہو گئی، جو اکل و شرب کا فائدہ دینے کے بہ جائے وبال و مصیبت بن گئی؛ مگر روزہ فاسد ہو گیا، مثلاً کسی روزے دار کے تیر مارا گیا اور لوہے کا حصہ اندر رہ گیا تو، روزہ فاسد ہو گیا! سونے میں احتلام سے مقصدِ جماع حاصل ہو گیا؛ مگر روزہ فاسد نہیں ہوا! محض دیکھ کر انزال ہو گیا، روزہ فاسد نہیں ہوا! سفر میں عامۃً مشقت ہوتی ہے، جس کی رعایت سے شریعت نے قصر نماز کا حکم دیا اور اجازتِ افطار دی اور دوسرے بعض احکام میں بھی تخفیفِ سہولت اور رخصت دی اور مسافت سفر تین یوم (تین منزل تقریباً اڑتالیس ۲۸ میل) مقرر کی؛ لیکن اگر کوئی شخص تین دن کی مسافت تین گھنٹے یا اس سے کم میں طے کرے اور بہت راحت کے ساتھ کہ کسی قسم کی مشقت پیش نہ آئے، تو کیا وہ نماز قصر نہیں کرے گا؟ یا اس کو رخصتِ افطار سے محروم کر دیا جائے گا؟ یا دوسرے احکام میں تخفیف کی سہولت و رخصت سے فائدہ نہیں حاصل کر سکے گا؟

اصل یہ ہے کہ قانون پر عمل کی صورت شرعاً تجویز کر دی گئی ہے، اس طرح عمل کیا جائے اور اس پر حکم دیا جائے گا، اس کے خلاف اپنی دوسری صورت تجویز کر کے اپنے تجویز کردہ مقصدِ قانون کو پورا کیا گیا، تو وہ شرعاً قانون پر عمل نہیں ہوگا اور جو صورت حدودِ قانون کے اندر جائز ہے، اس کو مقصدِ قانون کے خلاف قرار دے کر حدودِ جواز سے خارج نہیں کیا جائے گا۔

سرکاری قانون ہے کہ لفافے پر ۲۵/ پیسے کا ٹکٹ لگایا جائے، اب اگر کوئی شخص ۲۵/ پیسے کا ٹکٹ نہیں لگاتا؛ بل کہ ۲۵/ پیسے لفافے پر چپکا دیتا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ انجکشن اگر ضرورت کے لیے ہے، تو بلا کراہت جائز ہے؛ ورنہ بے چینی کا اظہار ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہیں۔

روزے میں دوا کا زبان کے نیچے رکھنا

قلبی امراض میں جو دوائیاں صرف زبان کے نیچے دبانے کی ہوتی ہیں اور حلق کے نیچے اتاری نہیں جاتیں، ان کا حکم یہ ہے کہ ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اس کی فقہی نظیر ”مسواک کا روزے کی حالت میں استعمال ہے“، جس کو بلا کراہت جائز قرار دیا ہے۔

فقہانے لکھا ہے کہ

”ولا بأس للصائم أن يستاك ، سواء كان السواك

يابساً أو رطباً ، مبلولاً أو غير مبلول“ (۱)

نیز اس کی نظیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ”فقہانے عورت کو ضرورت کے موقع پر سالن کے چکھنے کی اجازت دی ہے“، جیسے اس کا شوہر بدخلق ہو، بہ شرطے کہ وہ حلق کے نیچے نہ جائے۔ (۲)

بل کہ ان سب سے زیادہ واضح نظیر، یہ جزئیہ ہے کہ ”فقہانے عورت کو اپنے بچے

..... اس تخیل سے کہ مقصد قانون یہ ہے کہ ۲۵ / پیسے حکومت کے لیے خرچ کیے جائیں، سو میں نے ۲۵ / پیسے کر دیے، تو اس کا یہ عمل قانون پر عمل نہیں ہوگا؛ بل کہ کہا جائے گا کہ اس نے قانون میں تحریف و ترمیم کی ہے، جس کا اس کو حق نہیں تھا۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۱۵/۱۷۳-۱۷۹)

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۲۶۶

(۲) مراقی الفلاح: ۲۵۶، البحر الرائق: ۲/۳۸۹، الدر المختار والشامی: ۳/۳۹۵

کی حفاظت کی خاطر، کھانا چبانے کی بلا کراہت گنجائش دی ہے، ”مراقی الفلاح“ میں ہے کہ

”و کرہ مضغہ بلا عذر كالمرأة إذا وجدت من يمضغ
الطعام لصبيها، أما إذا لم تجد بداً منه فلا بأس بمضغها
لصيانة الولد“ (۱)

اور ”بحر الرائق اور شامی“ میں ہے کہ

”والمضغ بعذر بأن لم تجد المرأة من يمضغ لصبيها
الطعام من حائض أو نفساء أو غيرهما ممن لا يصوم ولم
تجد طيخاً“ (۲)

جب اپنے بچے کی خاطر کھانا چبانے کی اجازت ہے، تو خود اپنی حفاظت کے لیے ایسی دوا کا استعمال، جو حلق میں نہ جائے، صرف زبان کے نیچے دبالی جائے جائز ہے؛ لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ ”اس کا کوئی حصہ حلق میں داخل نہ ہو، ورنہ روزہ یقیناً فاسد ہو جائے گا۔“

روزے میں خون یا گلوکوز (Glucose) چڑھانے کا حکم

یہیں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ روزے میں خون چڑھانا یا گلوکوز لینا درست ہے یا نہیں اور یہ کہ اس سے روزے پر کیا اثر پڑتا ہے؟

خون یا گلوکوز چڑھانے سے روزے کے ٹوٹنے کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ یہ بھی جیسا کہ اوپر معنوم ہوا، رگوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے، منفذ اصلی

(۱) مراقی الفلاح: ۲۵۶

(۲) البحر الرائق: ۲/۲۸۹، الشامی: ۳/۳۹۵

سے نہیں؛ اس لیے اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا؛ بل کہ باقی رہتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ روزے کی حالت میں خون یا گلوکوز لینا درست ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں علما کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے کہ

خون چوں کہ نجس اور حرام ہے اور صرف سخت مجبوری و اضطرار کی حالت میں اس سے انتفاع جائز ہے؛ اس لیے بغیر سخت مجبوری کے اس کا استعمال جائز نہ ہوگا اور پھر ایسا مریض، جس کو مجبوراً خون لینا پڑے عام طور پر روزے سے بھی نہیں رہ سکتا، اس لیے یہ صورت زیادہ تر فرضی ہے۔ غرض یہ کہ اگر کوئی حالت مجبوری میں لے لے، تو درست ہوگا، (۱)

اور گلوکوز اگر بہ ضرورت لیا جائے، تو اس کی اجازت ہو سکتی ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ ”فقہانے روزے کی حالت میں عبادات میں اطمینان حاصل کرنے کے لیے غسل کرنے، بھیگے ہوئے کپڑے بدن یا سر پر لپیٹنے، سر پر پانی ڈالنے وغیرہ کی اجازت دی ہے۔“ (۲)

(۱) مثلاً علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

قال في النهاية والتهذيب : يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاء ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه .
(الشامی: ۷/۲۸۰)

(۲) وفي الدر المختار: وكذا لا تكره حجامه وتلفف بثوب مبتل ومضمضة أو استنشاق أو اغتسال للتبرد. (الدر المختار مع الشامی: ۳/۳۹۹)

وفي الهندية: كره الاغتسال وصب الماء على الرأس والاستنقاء في الماء والتلفف بالثوب المبلول، وقال أبو يوسف: لا يكره وهو الأظهر، كذا في محيط السرخسي.
(الفتاوى الهندية: ۱/۲۲۰)

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گرمی یا پیاس کی وجہ سے سر پر پانی ڈالنا ابوداؤد کی روایت سے ثابت ہے۔^(۱)

اور یہ معلوم ہے کہ اس سے بدن کے اندر پانی پہنچتا ہے اور اس سے جسم کے اندر ٹھنڈک پہنچ کر پیاس و گرمی ختم ہو جاتی ہے، اس کے باوجود اس کی اجازت فقہاء نے دی ہے؛ لہذا بہ ضرورت اگر کوئی روزہ دار گلو کوز لے، تو درست ہوگا اور اگر بلا ضرورت چڑھائے، تو مکروہ ہوگا؛ کیوں کہ اس میں ایک طرح اس بات کا اظہار ہے کہ وہ روزے سے پریشان ہے اور ایسی کوئی حرکت کرنا، جس سے روزے سے پریشانی و بے چینی ظاہر ہوتی ہو، فقہاء نے لکھا ہے کہ مکروہ ہے؛ اسی لیے امام اعظم رحمۃ اللہ نے روزہ دار کے لیے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ شامی اور ابن نجیم رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

”وإنما كره الإمام رحمه الله الدخول في الماء والتلف بالثوب المبلول لما فيها من إظهار الضجر في إقامة العبادة، لا لأنه قريب من الإفطار.“^(۲)

(۱) عن أبي بكر بن عبد الرحمن، قال: قال الذي حدثني لقد رأيت رسول الله ﷺ بالعرج يصب على رأسه الماء وهو صائم من العطش أو من الحر. (أبو داود: ۲۶۹، الرقم: ۲۳۶۵-المستدرک للحاکم: ۱/۵۹۷، الرقم: ۱۵۷۹-السنن الكبرى للبيهقي: ۳/۴۳۸، الرقم: ۸۲۶۱)

(۲) البحر الرائق: ۲/۴۷۶

قال الشامي: وكرهها أبو حنيفة لما فيها من إظهار الضجر في العبادة.

(رد المحتار: ۳/۳۶۷)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے (روزہ دار کے لیے) پانی میں اترنا اور بھگے ہوئے کپڑے کو لپیٹنا، اس لیے مکروہ قرار دیا ہے کہ اس میں عبادت سے بے چینی کا اظہار ہے؛ اس لیے نہیں کہ وہ مفسد ہے۔

ظاہر ہے کہ گلو کوز بلا کسی ضرورت کے چڑھالینا، اظہار بے صبری و بے چینی ہے؛ اس لیے بلا ضرورت یہ مکروہ ہوگا، (واللہ اعلم)۔

روزے میں آپریشن (Operation)

اگر روزہ دار کو آپریشن کرانے کی ضرورت پڑ جائے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپریشن سے روزے پر کیا اثر پڑے گا؟ یاد رکھنا چاہیے کہ محض آپریشن سے تو کسی بھی صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ البتہ چوں کہ آپریشن کرنے کے بعد کبھی دوا یا اور کوئی چیز اندر داخل بھی کی جاتی ہے، اس لحاظ سے بعض صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا اور بعض صورتوں میں فاسد نہ ہوگا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ

پیٹ یا دماغ کے علاوہ کسی اور جگہ کا آپریشن ہوا ہے، تو دیکھا جائے گا کہ جہاں کا آپریشن ہوا ہے، اس سے پیٹ یا دماغ تک منفذ اصلی ہے یا نہیں، اگر منفذ اصلی نہیں ہے، تو اس آپریشن سے روزہ فاسد نہ ہوگا؛ خواہ دوا ڈالی جائے یا نہ ڈالی جائے؛ کیوں کہ جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزر چکا ہے کہ وہی چیز روزے کو فاسد کرتی ہے، جو جوف میں پہنچے اور منفذ اصلی سے پہنچے، جب اس صورت میں جوف تک منفذ ہی نہیں ہے، تو دوا ڈالنے سے بھی وہ جوف تک منفذ کے ذریعے نہ پہنچے گی؛ لہذا اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا اور محض آپریشن، کسی بھی صورت میں روزے کو فاسد نہیں کرتا۔

اور اگر اس عضو اور جوف کے درمیان کوئی منفذ اصلی ہے، تو دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا؛ ورنہ نہیں ٹوٹے گا؛ کیوں کہ مفسد پایا گیا۔

اور اگر آپریشن پیٹ یا دماغ کا ہوا ہے، تو دیکھا جائے گا کہ صرف اندر سے کچھ نکالا گیا ہے، یا کوئی دوا بھی اندر ڈالی گئی ہے؛ پہلی صورت پر روزہ باقی ہے اور دوسری صورت پر روزہ فاسد ہو جائے گا۔

اور اگر آپریشن کر کے پیٹ یا دماغ کے جوف میں کوئی مصنوعی یا انسانی یا حیوانی عضو لگایا گیا، تو اس کا حکم حضرات فقہاء کے یہاں درپیش ایک صورت سے مستنبط ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ:

اگر کسی شخص کو نیزہ لگا اور جوف تک پہنچ گیا اور جوف ہی میں اس کو رہنے دیا گیا، تو بعض فقہاء کے نزدیک اس شخص کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور بعض کے نزدیک فاسد نہ ہوگا اور اس سلسلے میں صحیح اسی کو بتایا گیا ہے کہ فاسد نہ ہوگا۔^(۱)

بالکل یہی صورت اس کی بھی ہے؛ لہذا اس میں بھی بہ ظاہر اختلاف ہونا چاہیے اور صحیح قول پر روزہ فاسد نہ ہونا چاہیے؛ مگر ذرا تدبر و تعمق سے کام لیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ آپریشن کی زیر بحث صورت میں صحیح قول پر فاسد ہونا چاہیے؛ کیوں کہ فقہاء کی زیر بحث صورت میں روزے کے فاسد نہ ہونے کو اس لیے صحیح قرار دیا گیا ہے کہ

”لأنه لم يوجد منه الفعل ، ولم يصل إليه ما فيه

صلاحه“.

اس روزہ دار کی طرف سے یہ کام نہیں پایا گیا (بل کہ دوسرے نے اس کو نیزہ مارا ہے) اور اس کو ایسی چیز نہیں پہنچی ہے، جو اس کے فائدے کی ہو۔^(۲)

(۱) بزازية على هامش الهندية: ۹۸/۴

(۲) رد المحتار: ۳۶۸/۳، فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الهندية: ۲۰۹/۱

اس سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں روزے کو صحیح قول پر فاسد نہ قرار دینا، اس وجہ سے ہے کہ اس میں فاسد ہونے کی وجہ نہیں پائی گئی اور فاسد ہونے کی وجہ دو باتوں میں سے ایک ہے، یا تو فعل خود اس سے صادر ہوا ہو، یا اس چیز میں اس کے بدن کا کوئی فائدہ ہو۔^(۱)

اب آپریشن کی زیر بحث صورت پر غور کیجیے کہ یہاں روزے کو فاسد کرنے والی ان دو باتوں میں سے کوئی بات پائی جا رہی ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہاں دونوں باتیں پائی جا رہی ہیں: ایک تو وہ شخص خود آپریشن کرائے کو تیار ہو کر گویا یہ فعل خود کر رہا ہے اور دوسرے اس میں اس کا بڑا فائدہ بھی ہے؛ لہذا زیر بحث صورت میں جب کہ آپریشن کر کے کوئی مصنوعی یا حیوانی یا انسانی عضو اندر رکھا جائے گا، روزہ فاسد ہو جائے گا۔ معاصر عالم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی ”جدید فقہی مسائل“ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور اگر یہ شخص آپریشن کے لیے راضی نہ تھا؛ بل کہ جبراً آپریشن کر دیا گیا اور پیٹ یا دماغ کے جوف میں کوئی عضو لگا دیا گیا، یا سوتے ہوئے شخص کے ساتھ ایسا معاملہ کیا گیا، تب بھی اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس کی نظیر فقہ کا یہ جزئیہ ہے کہ ”اگر کسی کے حلق میں کوئی چیز جبراً یا اس کے سونے کی حالت میں

داخل کی گئی، تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا لازم ہوگی۔“^(۲)

اس کی وجہ علامہ شامی رحمہ اللہ یہ لکھتے ہیں کہ

(۱) قال الشامي: ويفسد أيضا فيما لو أوجر مكرهاً أو نائماً. (الشامي: ۳/۳۶۸)

(۲) قال الشامي: وحاصله أن الإفساد منوط، إذا كان بفعله أو فيه صلاح لبدنه. (الشامي: ۳/۳۶۸)

”اس میں اس کا نفع اور فائدہ ہے۔“ (۱)

پس معلوم ہوا کہ اوپر روزے کے فاسد ہونے کی جو دو وجہیں بیان ہوئی ہیں، ان میں سے ایک کا پایا جانا کافی ہے؛ لہذا اس صورت میں اگرچہ پہلی وجہ تو نہیں ہے؛ لیکن دوسری وجہ تو پائی جا رہی ہے؛ لہذا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ ان دونوں آپریشنوں کی صورتوں اور اسی طرح ان صورتوں میں، جن میں دوا ڈالی جاتی ہے اور وہ خوف تک پہنچتی ہے، روزہ جب ٹوٹ جاتا ہے، تو اس پر صرف قضا ہے یا کفارہ بھی ہوگا؟

جواب یہ ہے کہ صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ کسی صورت پر بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ کفارہ صرف اس وقت لازم ہوتا ہے؛ جب کہ روزہ سورۃ و معنی دونوں طرح توڑ دیا جائے، صورت کے اعتبار سے روزے کا توڑنا یہ ہے کہ منہ سے کوئی چیز نکل لی جائے اور معنی روزے کا توڑنا یہ ہے کہ بدن میں ایسی چیز داخل کی جائے، جو بدن کے لیے مفید و نفع بخش ہو۔ (۲)

اور ان صورتوں میں جیسا کہ ظاہر ہے، صورت کے لحاظ سے افطار نہیں ہوا؛ بل کہ صرف معنی کے لحاظ سے؛ اس لیے ان صورتوں میں صرف قضا لازم ہوگی۔

روزے کی حالت میں بدن سے خون نکالنا

یہ تو ظاہر ہے کہ روزے کی حالت میں بدن سے خون نکالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ روزے کو فاسد وہ چیز کرتی ہے، جو بدن میں داخل ہو، نہ کہ وہ جو خارج ہو؛ جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے کہ روزے کا ٹوٹ

(الشامی: ۳/۳۶۸)

(۱) قال : لأن فيه صلاحاً .

(۲) الشامی: ۲/۴۱۰

جانا ان چیزوں سے ہے، جو داخل ہونے والی ہیں، نہ کہ ان سے جو خارج ہونے والی ہیں۔ (۱)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عکرمہ و ابراہیم نخعی سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ (۲)

نیز جمہور علما کا مذہب یہ ہے کہ پچھنا لگوانا روزے کو فاسد نہیں کرتا۔ (۳)
لہذا خون نکالنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا؛ لیکن یہ سوال کہ بہ جائے خود روزہ دار کو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ قابل غور ہے۔

اگر بہ ضرورت ایسا کرنا پڑے، مثلاً کسی بیمار کے لیے فوری ضرورت پڑ جائے اور یہ خون دے دے، تو اجازت معلوم ہوتی ہے، جیسے علما نے پچھنا لگوانے کی اجازت دی ہے۔ (۴)
اور اگر بلا ضرورت کیا جائے، تو کراہت سے خالی نہیں؛ کیوں کہ اس سے بدن میں ضعف اور کمزوری پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور روزہ دار کو ایسا کام کرنا، جس سے کمزوری اور ضعف پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، مکروہ ہے۔ (۵)

(۱) «عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا عائشة! هل من كسرة؟ فأتيته بقرص، فوضعه على فيه وقال: يا عائشة! هل دخل بطني منه شيء؟ كذلك قبله الصائم، إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج.»

(مسند أبو يعلى: ۸/۷۶، الرقم: ۴۶۰۲، مجمع الزوائد مع بغية: ۳/۳۹۰، الرقم: ۴۹۷۰)

(۲) دیکھو: فتح الباری: ۵/۳۲۶

(۳) قال الحافظ: وأما الحجامة فالجمهور أيضاً على عدم الفطر بها مطلقاً.
(فتح الباری: ۵/۳۲۵)

(۴) الدر المختار مع الشامی: ۲/۴۱۹

(۵) الدر المختار مع الشامی: ۲/۴۲۰، البحر الرائق: ۲/۲۷۳

اور ”عالمگیری“ میں لکھا ہے کہ اپنے اوپر اطمینان ہو، تو خون نکالنے میں مضائقہ نہیں؛ ورنہ مکروہ ہے اور کراہت اس وقت ہے کہ ایسا ضعف ہونے کا اندیشہ ہو کہ روزہ توڑنا پڑے۔^(۱)

روزہ میں عورت کی شرم گاہ میں لوپ (Loop) داخل کرنا

عارضی مانع حمل چیزوں میں سے ایک لوپ (Loop) بھی ہے، جو عورتوں کی شرم گاہ میں چڑھایا جاتا ہے، جس سے اس کے رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے، اگر اس کو روزے کی حالت میں فرج (شرم گاہ) میں داخل کیا گیا، تو اس عورت کا روزہ ٹوٹ جائے گا؛ کیوں کہ اس کو فرج داخل (شرم گاہ کا اندرونی حصہ) میں داخل کیا جاتا ہے اور فرج خارج (شرم گاہ کا بیرونی حصہ، جس کو غسل میں دھونا فرض ہے)، میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہتا؛ لہذا یہ لوپ جوف تک پہنچ جاتا ہے؛ کیوں کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ نے فرج داخل کو جوف ہی کا ایک حصہ قرار دیا۔^(۲)

پس جب یہ جوف میں پہنچ گیا، تو روزہ جاتا رہا، اس کی نظیر یہ جزئیہ ہے:

”ولو أدخلت قطنه، إن غابت فسد وإن بقي طرفها

في فرجها الخارج لا“.

ترجمہ: اگر عورت روئی داخل کرے اور وہ اندر چلی جائے، تو

(۱) ولا بأس بالحجامة إن أمن على نفسه الضعف، أما إذا خاف فإنه يكره

..... و ذکر شیخ الإسلام: شرط الكراهة ضعف يحتاج فيه إلى الفطر.

(فتاویٰ عالمگیری، ۱/۲۲۰)

(۲) قال: الأقرب التخلص بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز

بينهما وبينه، فهما في حكمه. (الشامی: ۳/۳۷۲)

روزہ فاسد ہو گیا اور اگر اس کا حصہ فرج خارج میں باقی رہے گا، تو فاسد نہ ہوگا۔ (۱)

یہاں چوں کہ لوپ فرج داخل میں غائب ہو جاتا ہے اور باہر کے حصے میں کچھ بھی نہیں رہتا؛ اس لیے اس کو داخل کرنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر روزے کی حالت میں نہیں؛ بل کہ پہلے داخل کر کے پھر روزہ رکھا گیا، تو روزہ فاسد نہ ہوگا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ (۲)

اور اوپر کی صورت میں صرف قضا لازم آئے گی، کفارہ نہیں، جیسا کہ تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

مانع حیض دوائیوں کا رمضان میں استعمال

طب وڈاکٹری کی ترقیات نے جہاں اور بہت سی چیزوں کو ایجاد کیا ہے، وہیں ایسی دوائیوں کو بھی باہر لایا گیا ہے، جو حیض کے خون کو ایک عارضی مدت تک روک دیتی ہیں، ان مانع حیض دوائیوں مثلاً (Primolut - N) اور (Duphaston) وغیرہ کے استعمال سے رمضان کے مہینے میں حیض کا خون بند ہو جائے، تو عورت کو اس مدت میں روزہ رکھنا ضروری ہو جائے گا؛ کیوں کہ مدت حیض میں عورت کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت؛ بل کہ حکم اس لیے تھا کہ خون جاری ہے، اب جب کہ خون کسی تدبیر سے بند ہو چکا ہے، اس پر روزہ رکھنا اس مدت میں

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۳/۳۶۹

(۲) چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ: خود روزے کی حالت میں یہ چھلما مفسد صوم ہے؛ لیکن اگر غیر حالت صوم میں ہو، حالت صوم میں داخل بدن باقی رہے، تو اس سے روزے میں کوئی خلل نہیں آتا۔
امداد الفتاویٰ: ۳/۱۴۴

ضروری ہوگا اور روزے کے شوق سے عورت ان ادویہ کو استعمال میں لا کر اپنا خون بند کر لے، تو اس میں کوئی برائی نہیں؛ بل کہ اچھی بات ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ اس زمانے میں جب کہ ایسی دوائیاں ایجاد ہو گئی ہیں، کیا ان دوائیوں کا استعمال رمضان میں عورت پر ضروری ہوگا؛ تا کہ روزہ رکھا جائے؟ جواب یہ ہے کہ ضروری نہیں؛ کیوں کہ اس کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں۔

روزے کی حالت میں مصنوعی دانت کا استعمال

مصنوعی دانت اگر روزے کی حالت میں بھی استعمال کیے جائیں، تو ظاہر ہے کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اس سے کوئی چیز حلق میں داخل نہیں ہوتی، اسی طرح اس کا استعمال روزے کی حالت میں مکروہ بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں کوئی مزہ یا خوشبو وغیرہ نہیں ہے، جس سے کراہت پیدا ہو جاتی ہے، پھر اس کی جب عادت ہوتی ہے، تو اس کا استعمال ایک ضرورت بھی بن جاتا ہے کہ بغیر اس کے بے چینی اور کلفت محسوس ہوتی ہے؛ اس لیے مصنوعی دانت کا بہ حالت روزہ استعمال، بلا کراہت درست ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ نے بھی روزے میں اس کے استعمال کو غیر مکروہ قرار دیا ہے۔^(۱)

روزے کی حالت میں دانت نکلوانا

روزے کی حالت میں اگر دانت نکلوانے کی حاجت پڑ جائے، تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟ اور اس کا روزے پر کیا اثر ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلا ضرورت ایسا نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ایک تو اس سے کمزوری پیدا ہوتی ہے اور روزے

(۱) چنانچہ سوال ہوا کہ اگر روزے کی حالت میں یہ مصنوعی دانت منہ میں رہیں، تو روزہ مکروہ تو نہ ہوگا؟ الجواب: مکروہ نہ ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ: ۲/۱۳۲)

میں ایسا کام کرنا، جس سے کمزوری پیدا ہو، مکروہ ہے، ”در مختار“ میں ہے کہ

”لا يجوز أن يعمل عملاً يصل به إلى الضعف“ (۱)

یعنی ایسے کام کرنا جائز نہیں، جس سے کہ ضعف کی طرف پہنچے۔

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ نے بہ حوالہ ”قنیۃ“ نقل کیا ہے کہ روئی پکانے کا کام کرنے والے کے لیے جائز نہیں کہ روئی پکانے میں ایسا منہمک ہو کہ جس سے روزہ توڑنا پڑے۔ (۲)

نیز اس موقع پر منہ میں دوائیاں بھی ڈالی اور لگائی جاتی ہیں، جن کا مزہ محسوس ہوتا ہے اور پہلے یہ بات عرض کر چکا ہوں، کہ جن چیزوں کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے، ان کا بلا ضرورت منہ میں لینا اور چکھنا مکروہ ہے؛ اس لحاظ سے بھی بلا ضرورت یہ فعل مکروہ ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ اگر دانت نکلوا یا، تو روزے پر اس کا کیا اثر ہوگا؟ تو عرض ہے کہ محض دانت نکلوانے سے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ البتہ اس سے خون نکل کر جوف کے اندر چلا جائے اور وہ خون تھوک پر غالب ہو یا اس کے برابر ہو، تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

در مختار میں یہ ہے کہ اگر دانتوں کے درمیان میں سے خون نکل کر صرف حلق تک گیا، تو روزہ فاسد نہ ہوگا؛ لیکن اگر جوف معدے میں داخل ہو گیا اور وہ تھوک پر غالب یا اس کے برابر ہوا، تو روزہ ”فاسد ہو جائے گا“۔ اسی طرح خون کا مزہ محسوس تھا اور وہ جوف میں داخل ہو گیا، تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (۳)

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۴۴۰/۳

(۲) البحر الرائق: ۲۸۲/۲

(۳) خرج الدم من بين أسنانه ودخل حلقه، یعنی ولم يصل إلى جوفه؛ أما إذا وصل فإن غلب الدم أو تساوى فسد، وإلا، لا؛ إلا إذا وجد طعمه.

(الدر المختار مع الشامی: ۳۶۷-۳۶۸)

اس پر علامہ شامی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ
 ”اسی سے اس کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ کسی نے رمضان میں
 ڈاڑھ نکالا اور خون جوفِ معدے میں داخل ہو گیا، اگرچہ وہ سویا ہوا
 ہو، تو اس پر قضا لازم ہے۔“ مگر علامہ شامی رحمۃ اللہ نے اس کے
 بعد فرمایا ہے۔ کہ اوپر والے مسئلے اور اس میں یہ فرق ہو سکتا ہے کہ
 یہاں احتراز ممکن نہیں اور وہاں ممکن ہے اور اس دوسری صورت کو اس
 قے پر قیاس کیا ہے، جو خود بہ خود لوٹ جائے کہ یہاں روزہ نہیں ٹوٹتا،
 ایسے ہی اس مسئلے میں روزہ نہیں ٹوٹنا چاہیے۔ (۱)

مگر قے میں اور اس میں فرق ہے، وہ یہ کہ قے غیر اختیاری ہے اور دانت
 نکلوانا اختیاری؛ لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ اس کے خون کے جوف میں داخل ہونے
 پر فسادِ روزے کا حکم کیا جائے، صاحب ”احسن الفتاویٰ“ اور صاحب ”فتاویٰ رحیمیہ“
 نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۲)

روزے میں بیڑی، سگریٹ (Cigarette) حقے کا استعمال

روزے کی حالت میں بیڑی، سگریٹ اور حقے کا استعمال کرنا روزے کو فاسد
 کر دیتا ہے؛ کیوں کہ ان چیزوں سے دھواں اندر پہنچتا ہے اور دھواں روزے کو فاسد
 کرنے والی چیز ہے، درمختار میں ہے:

(۱) قال: ومن هذا يعلم حکم من قلع ضرسه في رمضان ودخل الدم إلى جوفه
 في النهار ولو نائماً، فيجب عليه القضاء، إلا أن يفرق بعدم إمكان التحرر عنه،
 فيكون كالقيء الذي عاد بنفسه. (الشامی: ۳/۳۶۸)

(۲) احسن الفتاویٰ: ۴/۴۳۶ - فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۱۰۹

”لو أدخل حلقه الدخان أفطر، أي دخان كان ، ولو
عوداً أو عنبراً!“ (۱)

ترجمہ: اگر اپنے حلق میں دھواں داخل کرے گا، تو روزہ
ٹوٹ جائے گا، کسی قسم کا دھواں کیوں نہ ہو، اگر چہ عود یا عنبر ہی ہو!۔

اس جگہ علامہ شامی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ اسی سے شرب دخان (جس میں
بیڑی، سگریٹ اور حقہ؛ تینوں داخل ہیں) کا حکم بھی معلوم ہو گیا اور اس کو علامہ
شرنبلالی رحمۃ اللہ نے نظم کیا ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ) ان دخانی چیزوں کے
خریدنے اور اس کے پینے سے منع کیا جائے گا اور جو اس کو روزے میں پیے گا، بلاشبہ
اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ان سب چیزوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ رہا یہ مسئلہ
کہ اس سے صرف قضا لازم ہوگی یا کفارہ بھی لازم ہوگا؟ علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ
نے ”مراقی الفلاح“ میں لکھا ہے کہ اس سے کفارہ واجب ہوگا۔ (۳)
اور علامہ شامی رحمۃ اللہ نے بھی ان سے نقل کیا کہ اگر نفع کے خیال سے پیتا
ہے، تو کفارہ دینا ہوگا۔ (۴)

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۳/۳۶۶

(۲) فکتب ما نظمہ الشرنبلالی: ویمنع من بیع الدخان وشربه ، وشاربه فی
الصوم لا شک یفطر. (الشامی: ۳/۳۶۶)

(۳) قال: لا یبعد لزوم الکفارة أیضاً للنفع. (مراقی الفلاح: ۲۴۷)

(۴) قال: ویلزمہ التکفیر، لو ظن نافعاً. (الشامی: ۳/۳۶۶)

روزے میں اگر بتی، عود وغیرہ کا دھواں سونگھنا

آج کل مساجد میں عام طور پر اگر بتی جلائے جانے کا رواج ہے، اسی طرح گھروں میں بھی اس کو استعمال کرتے ہیں اور یہ اچھی چیز ہے؛ مگر رمضان کے مہینے میں دن میں اس کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اس کا دھواں بھی اگر حلق میں داخل ہو گیا، تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اسی طرح عود وغیرہ کے دھوئیں کا بھی یہی حکم ہے؛ کیوں کہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ ”دھوئیں سے بچنا ممکن ہوتے ہوئے، اس سے احتراز نہ کیا گیا، تو روزہ ٹوٹ جائے گا“، درمختار میں ہے:

”لو أدخل حلقه الدخان أفطر، أي دخان كان ولو

عوداً أو عنبراً، لو ذاكراً لإمكان التحرز عنه“ (۱)

ترجمہ: اگر اپنے حلق میں دھواں داخل کرے گا، تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کسی قسم کا دھواں کیوں نہ ہو، اگر چہ عود یا عنبر ہی ہو؛ کیوں کہ اس سے بچنا ممکن ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”اگر بخور جلایا اور اپنے پاس رکھ کر اس کو سونگھا اور روزہ یاد ہے، تو

روزہ ٹوٹ جائے گا؛ کیوں کہ اس سے بچنا ممکن ہے، اس میں بہت سے لوگ غفلت کرتے ہیں۔“ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مساجد و گھروں میں اگر بتی و عود وغیرہ جلا کر، اس کا دھواں

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۳/۳۶۶

(۲) قال: لو تبخر بخور فأواه إلى نفسه واشتمه ذاكراً لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه، وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس. (الشامی: ۳/۳۶۶)

سوٹھنا، روزے کو فاسد کر دیتا ہے اور جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ نے فرمایا، اس میں بہت زیادہ کوتاہی و غفلت پائی جاتی ہے؛ خصوصاً مساجد میں دن کے وقت نمازوں کے موقع پر اگر بتی جلا دیتے ہیں، جس کا دھواں بہت سے لوگوں کے حلق میں داخل ہوتا ہے اور معلوم ہو چکا کہ اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ اس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

موٹروں کا دھواں اور راستے کا غبار

آج کل سڑکیں اور خصوصاً بڑی اور بازار کی سڑکیں، موٹر گاڑیوں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں اور ان سے کثیر مقدار میں دھواں خارج ہو کر پوری فضا کو مکدر کرتا رہتا ہے؛ پھر ان موٹروں کے چلنے سے راستے کا غبار بھی پوری فضا کو غبار آلود بنا دیتا ہے، ایسی صورت میں اس دھوئیں اور غبار کے حلق میں داخل ہو جانے سے کیا روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر صورت حال ایسی ہے کہ اس سے بچنا ممکن ہو، تو اس سے حتیٰ الامکان احتراز کرنا اور اپنے حلق میں اس کو داخل ہونے سے بچانا ضروری ہے اور احتراز ممکن ہوتے ہوئے بچنے کا اہتمام نہ کیا گیا اور یہ غبار اور دھواں حلق میں داخل ہو گیا، تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ، علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ

”إذا وجد بداً من تعاطي ما يدخل غباره في حلقه
أفسد لو فعل.“ (۱)

ترجمہ: جس چیز کا غبار حلق میں داخل ہوتا ہے، اس پر

قباو پانا ممکن ہو، تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر ایسا کرے گا (یعنی اگر نہ بچے گا۔

اور اگر صورت حال ایسی ہے کہ اس دھویں اور غبار سے بچنا ناممکن ہو، تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، درمختار میں اس کی تصریح موجود ہے۔^(۱)

اور آج شہروں میں صورت حال کچھ ایسی ہی ہے؛ لہذا اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، بہ شرطے کہ بچنے کی اپنی بساط بھر کوشش کر لیا ہو اور اسی سے گھروں میں اور بعض فیکٹریوں میں چولہوں سے نکلنے والے دھویں کا حکم معلوم ہو گیا کہ جہاں تک ممکن ہو، وہاں تک بچنا چاہیے، ورنہ روزہ فاسد ہو جائے گا اور بچنا ممکن نہ ہو، تو پھر روزہ فاسد نہ ہوگا۔

روزے میں نسوار (ناس) سونگھنے کا حکم

نسوار جس کو ہمارے علاقوں میں ناس کہا جاتا ہے، اس کو سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؛ چنانچہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”نسوار شمیدن در آنف نیز مفسدِ صوم است۔“

ناک میں ناس سونگھنا بھی روزہ کو فاسد کر دیتا ہے۔^(۲)

مجہ اس کی یہ ہے کہ ناس سونگھنے سے ناس ناک کے ذریعے دماغ کے جوف میں پہنچتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ جوف دماغ تک کسی چیز کا پہنچ جانا روزے کو فاسد کر دیتا ہے؛ البتہ ناس کو ناک میں رکھ کر اس طرح نکال لیا گیا کہ وہ دماغ تک نہیں

(۱) فی الدر: [أو دخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان] لعدم إمكان التحرز عنه -

لم يفطر. (الدر المختار مع الشامی: ۳/۳۶۶)

(۲) فتاویٰ دارالعلوم: ۶/۴۱۸

پہنچی، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا؛ لیکن ناک میں رکھ کر ایسا نکال لینا کہ ناس کے اجزاء دماغ تک نہ پہنچیں، عادتاً دشوار ہے؛ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ اس صورت میں بھی روزے کو فاسد قرار دیا جائے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”نسوار کو ناک میں رکھ کر، اس طرح نکال دیا جائے کہ دماغ تک نہ پہنچے، تو بے شک وہ مفسدِ صوم نہیں؛ لیکن عرفِ عام کے اعتبار سے ایسا ہونا بہت بعید؛ بل کہ عادتاً متعذر کہا جائے، تو صحیح ہے؛ اس لیے نسوار سونگھنے کو مفسدِ صوم ہی کہا جائے گا۔“ (۱)

الغرض! ناس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس سے بھی صرف قضا لازم آتی ہے، کفارہ نہیں۔

وکس، امر تنجن وغیرہ ادویہ کے استعمال کا حکم

وکس، امر تنجن، بام وغیرہ ادویہ کا خارجی استعمال - ظاہر ہے کہ - نہ مفسد ہے، نہ مکروہ؛ بل کہ جائز ہے، اس سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ البتہ ان ادویہ کو ناک میں چڑھانا روزے کو فاسد کر دیتا ہے؛ کیوں کہ یہ دماغ کے جوف تک ناک کے ذریعے پہنچتے ہیں، چنانچہ ”فتاویٰ دارالعلوم“ میں ایک سوال و جواب سے اس پر روشنی پڑتی ہے:

سوال: اٹلوس ایک دوا ہے کہ نوشادر اور چوناملا کر، شیشی بھر کر، ناک سے لگا کر، سونگھا جاتا ہے؛ اس کی تیزی، دماغ تک پہنچتی ہے، اس کے سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں روزہ اس کا ٹوٹ جائے گا، قضا لازم ہے۔ (۱)

اس سے صورت مذکورہ بالا کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ اگر ان چیزوں کو ناک میں چڑھایا گیا، تو چوں کہ ان کی تیزی بھی دماغ تک پہنچتی ہے؛ بل کہ خود اس کے اجزا بھی پہنچتے ہیں؛ اس لیے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

اور اسی سے وکس انہیلر (Vicks inhaler) کے استعمال کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ اس سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے؛ کیوں کہ اس کی تیزی بھی دماغ تک پہنچتی ہے اور صرف قضا لازم آتی ہے۔ (واللہ اعلم)

روزے میں انہیلر (Inhaler) کا استعمال

اسی سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو گیا، وہ یہ کہ آج کل ایک آلہ ایجاد ہوا ہے، جس کے بارے میں بہت لوگ کہتے ہیں کہ اس میں ہوا بھری ہوتی ہے؛ مگر صحیح یہ ہے کہ اس میں ہوا کے ساتھ دوا بھی بھری ہوتی ہے، یہ آلہ ”دے“ کے مریضوں کے لیے بنایا گیا ہے کہ جب اس کو منہ کھول کر دبا یا جاتا ہے، تو ہوا کے مانند اس سے کچھ نکلتے محسوس ہوتا ہے اور حلق میں پہنچ جاتا ہے، اس سے دے کے مریض کو کئی گھنٹے آرام و سکون رہتا ہے؛ اس کے بارے میں سوال ہوتا ہے کہ اس کے استعمال سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب یہی ہے کہ اس سے بھی چوں کہ گیس (Gas) کی شکل کی ایک چیز بدن کے اندر پہنچتی ہے، جس میں دوا ملی ہوتی ہے؛ اس لیے اس سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس میں چوں کہ سورۃ و معنی دونوں طرح افطار پیا جا رہا ہے؛ اس لیے اس میں قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے؛ جب کہ کفارے کے لازم ہونے کی دوسری

شرطیں بھی پائی جائیں، مثلاً رات سے روزے کی نیت کی ہو، اس چیز کا استعمال عہداً ہوا ہو، وغیرہ، واللہ اعلم۔^(۱)

(۱) ایک عالم صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں اس مسئلے کے تعلق سے اعتراض کیا کہ انہیلر (Inhaler) کے استعمال سے روزہ فاسد نہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ اس سے جو دوا نکلتی ہے، وہ طبی تحقیق کی رو سے پھیپڑوں میں پہنچتی ہے، معدے میں نہیں؛ لہذا یہ ایسا ہی ہوا جیسے سانس کے ذریعے خارجی ہوا پھیپڑوں میں ہی پہنچتی ہے، تو جب اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، تو انہیلر کے استعمال سے بھی روزہ فاسد نہ ہونا چاہیے؟

اس لیے مناسب ہے کہ اس مسئلے کی بابت حضرت اقدس کی تحریر کردہ، وہ مفصل تحقیق نذر قارئین سردی جائے، جو آپ کے عظیم فقہی و تحقیقی مقالات کے مجموعہ بہ نام ”نفائس الفقہ“ میں درج ہے، اس سے متعلقہ مسئلے کا منطوق حکم بھی اور آپ کا نقطہ نظر بھی واضح ہو جائے گا؛ چنانچہ آپ رقم طراز ہیں کہ

”تنفس کی بیماری کے علاج کے لیے ”انہیلر“ کا استعمال درست نہیں، اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ اس سے ایک دوا (بہ صورتِ سفوف جیسا کہ سوال میں ہے یا بہ صورتِ سیال چیز جیسا کہ بعض کا کہنا ہے) ہوا کے ذریعے اندر پہنچی جاتی ہے اور یہ اگرچہ ذاکروں کے مطابق پھیپڑوں میں پہنچتی ہے، معدے میں نہیں؛ مگر یہ بات یقینی ہے کہ اس کو اتنی راستے سے پہنچایا جاتا ہے، جس سے کہ معدے کی طرف بھی راستہ جاتا ہے اور معدے میں اس کے پہنچنے سے کوئی مانع بھی موجود نہیں ہوتا، اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کے کچھ اجزاء کا پھیپڑوں کے بہ جائے معدے میں چلا جانا عین ممکن ہے؛ لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے روزے کو فاسد قرار دیا جائے، وجہ یہ ہے کہ خود فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ

”إن السبب يقوم مقام المسبب في موضع الاحتياط“

(بدائع الصنائع: ۱/۱۵۶، ۲/۳۳۱)

اور یہاں دوا کا بہ ذریعے ”انہیلر“ پھیپڑوں میں پہنچانا سبب ہے،.....

معدے میں پہنچنے کا؛ لہذا اس کو بھی مسبب کے درجے میں مان کر روزے کے لیے اس کو مفسد قرار دینا چاہیے۔

اور اسی اصول پر فقہاء کے کلام میں احتیاطاً وجوب کی کئی نظیریں ملتی ہیں، مثلاً:

(۱) نوم کا ناقض وضو ہونا اسی سبب سے ہے کہ یہ سبب ہے استرخائے مفاصل کا اور وہ سبب ہے خروج ریح کا، جو حدیث ہے: "لہذا اس سبب کو مسبب کے قائم قرار دے کر اس کو ناقض وضو مانا گیا ہے۔" (بدائع الصنائع: ۲/۵۳۵)

(۲) دخول بلا انزال میں وجوب غسل کی وجہ بھی یہی ہے کہ عموماً یہ انزال کا سبب ہے؛ لہذا اگرچہ انزال نہ ہو؛ مگر دخول ہو جائے، تو غسل کو واجب قرار دیا گیا، فقہاء فرماتے ہیں کہ

"لأنه سبب للانزال، وهو متغيب عن البصر فقد يخفى عليه

لقلته، فيقام مقامه لكمال السببية."

(الهداية: ۱/۱۹، الباب فی شرح الكتاب: ۱۰، بدائع الصنائع: ۱/۱۴۶)

(۳) "ایلاج فی الدبر" کی صورت میں مفعول پر وجوب غسل کے بارے میں فقہاء نے

لکھا ہے کہ یہ وجوب احتیاطاً ہے، (الهداية: ۱/۱۹، بدائع: ۱/۱۴۶، الشامی: ۱/۲۹۹)

(۴) اسی طرح اس شخص پر روزہ واجب قرار دیا گیا، جس نے چاند دیکھا؛ مگر اس کی شہادت

قاضی نے رد کر دی، تو یہ شخص روزہ رکھے گا اور اس کی وجہ احتیاط بیان کی گئی ہے۔

(الهداية: ۱/۱۱۷، بحر الرائق: ۲/۴۶۳)

الغرض! "نہیلر" اگرچہ پھیپڑوں کے لیے بنایا گیا ہو اور اس سے اصل نشانہ پھیپڑے

بنتے ہوں؛ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے معدے کو جانے والے راستے ہی سے پھیپڑوں

میں یہ دوا پہنچائی جاتی ہے اور معدے میں اس کے اجزا کا چلا جانا بہت ممکن ہے؛ لہذا اس کے

استعمال سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

ہاں! چوں کہ ایسا شخص بغیر "نہیلر" کے رہے گا، تو سخت پریشانی کا سامنا کر پڑتا ہے اور بسا

اوقات یہ بات اس کے لیے خطرہ بھی بن جاتی ہے؛ اس لیے ایسے شخص کو روزہ چھوڑنے کی اجازت

ہوگی اور اگر صحت مل جائے، تو قضا، ورنہ نذیہ ادا کرنا ہوگا۔

روزے میں بھپارے کے ذریعے دوا

بھپارے کے ذریعے دوا کا پہنچانا روزے کو فاسد کر دیتا ہے، خواہ وہ پرانے طریقے کے مطابق ہو یا کسی نئے طریقے کے مطابق کسی مشین کے ذریعے ہو اور وجہ ظاہر ہے کہ اس سے بھاپ اور بھاپ کے ذریعے دوائی حلق کے اندر جاتی ہے اور اس کا مفسد صوم ہونا معلوم و واضح ہے۔

مقعد میں دوائی یا آلات کا روزے کی حالت میں داخل کرنا

سیال ہو یا جامد، کسی بھی دوا کا مقعد میں داخل کرنا روزے کو فاسد کر دیتا ہے؛ خواہ بواسیر کے اندرونی مسوں پر مرہم کی صورت میں ہو یا اور کسی وجہ سے ہو؛ کیوں کہ سُرین ایک منفذ ہے، جس سے راست طور پر جوفِ معدے کو راستہ ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جوف میں منفذ اصلی سے کسی بھی چیز کا داخل کرنا روزے کو فاسد کر دیتا ہے؛ اسی لیے فقہانے لکھا ہے کہ ”حقنہ لگانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا“ (۱)

اور رہا تشخیص و تحقیق کے لیے مقعد میں آلات کا داخل کرنا، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اس کی نظیر فقہانے بیان کردہ یہ مسئلہ ہے کہ ”اگر کسی نے اپنے مقعد میں لکڑی یا انگلی داخل کی، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، بہ شرطے کہ لکڑی کا ایک حصہ باہر ہو، پورا اندر داخل نہ ہو جائے اور انگلی خشک ہو، تر نہ ہو۔“ (۲)

علامہ کا سانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

”و کذا روی عن محمد رحمۃ اللہ فی الصائم : إذا

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۲۲۷، الشامی: ۳/۳۷۶

(۲) الشامی: ۳/۳۶۹

أدخل خشبةً في المقعد ، أنه لا يفسد صومه إلا إذا غاب طرفا الخشبة ، وهذا يدل على أن استقرار الداخل في الجوف شرط فساد الصوم .“ (۱)
اور ”عالمگیری“ میں ہے:

”ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لا يفسد ، وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لو صول الماء أو الدهن .“ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مقعد میں کوئی آلہ داخل کیا جائے اور اس میں کوئی دوا یا پانی وغیرہ لگانا ہو، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور اگر اس پر دوا یا پانی لگا ہو، تو چوں کہ وہ دوا یا پانی اندر رہ جائے گا؛ اس لیے اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

پیشاب کے راستے سے دوا یا کوئی آلہ داخل کرنا

روزے کی حالت میں پیشاب کے راستے سے دوا یا کسی نلکی والے کے داخل کرنے کے بارے میں عورت و مرد کا حکم مختلف ہے؛ جہاں تک عورت کا مسئلہ ہے، تو اس کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے کہ عورت کی فرج کے دو حصے ہیں: ایک ”داخل“ دوسری ”خارج“، فرج خارج کا حکم یہ ہے کہ اس میں کسی چیز کا داخل کرنا مفسدِ صوم نہیں؛ کیوں کہ یہ جوف نہیں اور نہ اس میں داخل کی گئی دوا وغیرہ جوف میں جاتی ہے؛ اسی لیے اس حصے کو داخل بدن نہیں مانا جاتا؛ بل کہ خارج مانا جاتا ہے اور فرج داخل اس کے برخلاف، جوف کا ایک حصہ ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۲۲۷

(۲) عالمگیری: ۱/۲۰۴

لکھا ہے کہ

”قلت : الأقرب التخلص بأن الدبر والفرج الداخل من

الجوف، إذ لا حاجز بينهما وبينه، فهما في حكمه.“ (۱)

اسی لیے فقہانے لکھا ہے کہ عورت کی شرم گاہ میں دوا وغیرہ پکانے سے بالائے اتفاق اس کا روزہ جاتا رہے گا؛ کیوں کہ اس سے جوف میں وہ دوا پہنچ جاتی ہے؛ چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ نے ”بدائع الصنائع“ میں فرمایا ہے کہ

”وأما الإقطار في قبل المرأة، فقد قال مشائخنا: أنه

يفسد صومها بالإجماع؛ لأن لمثانتها منفذاً، فيصل إلى الجوف.“ (۲)

”البحر الرائق“ میں ہے:

”لأن الإقطار في قبل المرأة يفسد الصوم بإخلاف

على الصحيح.“ (۳)

اس لیے عورت کی فرج داخل میں دوا کا داخل کرنا یا کسی اور چیز، خواہ وہ نکلی ہو یا کسی اور آلے کا داخل کرنا روزے کو فاسد کر دیتا ہے، بہ شرطے کہ اس کا کوئی حصہ فرج خارج میں نہ رہے، ہاں! اگر اس کا ایک حصہ فرج خارج میں یا باہر موجود ہو، تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

اس کی نظیریہ جزئیہ ہے جو ”الدر المختار“ میں لکھا ہے کہ

”ولو أدخلت قطنه، إن غابت فسد وإن بقي طرفها

(۱) الشامي: ۳/۳۷۲

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۲۲۷

(۳) البحر الرائق: ۲/۲۸۸

في فرجها الخارج، لا، (۱)

اور یہ بات ظاہر ہے کہ دوائیاں جب اندر پہنچانا ہوتا ہے، تو اس کو پوری طرح اندر داخل کر دیا جاتا ہے؛ لہذا داخلی فرج میں دوا رکھ دینے سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اسی طرح عورتیں جو لوپ (Loop) لگاتی ہیں، اس سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ یہ بھی فرج داخل میں اندر رکھ دیا جاتا ہے؛ لیکن ڈاکٹر لوگ تشخیص و تحقیق کے لیے جو آلات استعمال کرتے ہیں، یہ چوں کہ فرج میں داخل کر کے نکال لیے جاتے ہیں، وہیں چھوڑ نہیں دیے جاتے؛ اس لیے ان سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، بہ شرطے کہ ان آلات پر کوئی دوا یا پانی وغیرہ لگا ہوا نہ ہو؛ کیوں کہ اندر داخل کی جانے والی چیز کا جوف ہی میں رہ جانا بھی فسادِ صوم کی شرط ہے۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ نے اسی بات کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ

”هَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ اسْتِقْرَارَ الدَّخْلِ فِي الْجَوْفِ شَرْطٌ لِفَسَادِ الصَّوْمِ“ (۲)

نیز علامہ شامی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے:

”وَيَشْتَرُطُ أَيْضاً اسْتِقْرَارُهُ دَاخِلَ الْجَوْفِ ، فَيَفْسُدُ إِذَا غَيَّبَهَا لَوْ جُودَ الْفِعْلُ مَعَ الْاسْتِقْرَارِ ، وَإِنْ لَمْ يَغَيَّبَهَا فَلَا ؛ لِعَدَمِ الْاسْتِقْرَارِ“ (۳)

معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں کے آلات اگر پانی و دوا لگے ہوئے نہ ہوں، تو ان کے عورت کی شرم گاہ میں داخل کرنے سے اس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

(۱) الدر المختار: ۳/۳۶۹

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۲۲۷

(۳) الشامی: ۳/۳۶۸

اور مرد کی پیشاب گاہ میں کسی چیز کا داخل کرنا اگر صرف ”ذکر“ کی حد تک ہو اور مٹانے تک نہ پہنچے، تو بالاتفاق اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

شامی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ

”وأفاد أنه لو بقي في قصة الذكر لا يفسد اتفاقاً ولا

شك فيه.“ (۱)

اور علامہ ابن نجیم المصری رحمۃ اللہ نے ”البحر الرائق“ میں ”الخلاصہ“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

”وأما ما دام في قصة الذكر فلا يفسد اتفاقاً.“ (۲)

معلوم ہوا کہ اگر پیشاب کی نالی میں دوا یا کوئی آلہ داخل کیا جائے اور وہیں تک محدود ہو، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا اور اگر وہ پیشاب تک نہ پہنچے، تو اس میں اختلاف ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ روزہ فاسد نہ ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

”البحر الرائق“ میں ہے کہ

ترجیحاً: ”وإن أقطر في إحليله لا أي لا يفطر، أطلقه

فشمل الماء والدهن، وهذا عندهما خلافاً لأبي يوسف

رحمۃ اللہ.“ (۳)

اگر اپنی پیشاب گاہ کے سوراخ میں قطرہ ڈالا، تو روزہ فاسد نہ ہوگا،

(۱) الشامی: ۳/۳۷۷

(۲) البحر الرائق: ۲/۴۸۸

(۳) البحر الرائق: ۲/۴۸۸

قطرے کو مطلق بیان کیا؛ لہذا پانی و دوا دونوں کے قطرات کو یہ شامل ہے اور یہ فاسد نہ ہونا، امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما رحمہما رحمہما کے نزدیک ہے، برخلاف امام ابو یوسف رحمہ رحمہ رحمہ کے۔

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مثانہ اور جوف بطن میں منفذ اصلی کے پائے جانے کے بارے میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ رحمہ رحمہ کی رائے یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی راستہ و منفذ نہیں ہے؛ جب کہ امام ابو یوسف رحمہ رحمہ رحمہ کہتے ہیں کہ ان میں منفذ ہے۔

ابن نجیم مصری نے ”البحر الرائق“ میں اسی مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ

”وہو مبني على أنه بين المثانة والجوف منفذ أم لا ؟
وهو ليس باختلاف فيه على التحقيق، فقالا: لا، و
وصول البول من المعدة إلى المثانة بالترشح، وما يخرج
رشحاً لا يعود رشحاً، كأجرة إذا سد رأسها، وألقي في
الحوض يخرج منها الماء، ولا يدخل فيها.“ (۱)
اور شامی رحمہ رحمہ رحمہ نے کہا ہے کہ

”والاختلاف مبني على أنه هل بين المثانة والجوف
منفذ أم لا ؟ وهو ليس باختلاف على التحقيق، والأظهر
أنه لا منفذ له، وإنما يجتمع البول فيها بالترشح كذا
يقول الأطباء.“ (۲)

(۱) البحر الرائق: ۲/۳۸۸

(۲) الشامي: ۳/۳۷۲

معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں اختلاف، دراصل جوفِ بطن و مثانے میں منفذ کے ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف پر مبنی ہے اور ترجیح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے قول کو دی گئی ہے؛ علامہ شامی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ

”والأظهر أنه لا منفذ له وإنما يجتمع البول فيها بالترشح، كذا يقول الأطباء“ (۱)

ترجمہ: اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کو کوئی منفذ نہیں اور پیشاب مثانے میں رس کر جمع ہوتا ہے، ڈاکٹروں نے ایسا ہی کہا ہے۔ لہذا مرد کے پیشاب کے راستے سے کسی دوا یا آلے کا داخل کرنا مفسدِ صوم نہ ہوگا؛ کیوں کہ اس سے جوف میں کوئی چیز نہیں پہنچتی؛ بل کہ وہ جوف سے باہر رہتی ہے۔

روزے میں منجن اور ٹوتھ پیسٹ (Tooth Paste) کا استعمال

منجن اور ٹوتھ پیسٹ کا استعمال روزہ دار کے لیے کراہت سے خالی نہیں، اگرچہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ جب کہ یہ حلق میں نہ جائے؛ لیکن چون کہ اس میں مزہ ہوتا ہے؛ اس لیے عام حالات میں اس کی اجازت نہیں ہوگی؛ بل کہ اس کا استعمال مکروہ ہوگا۔

”ہدایہ“ میں ہے کہ

”ومن ذاق شيئاً بفمه لم يفطر، ويكره له ذلك“

ترجمہ: جو شخص کوئی چیز اپنے منہ سے چکھے، اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا اور یہ بات اس کے لیے مکروہ ہوگی۔ (۲)

(۱) الشامی: ۳/۳۷۲

(۲) الہدایہ: ۲/۲۶۴

اسی طرح ”البحر الرائق الدر المختار“ وغیرہ میں بھی بلا عذر کسی چیز کے چکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔^(۱)

اور انہی نصوص فقہاء کی بنا پر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ نے ”امداد الفتاویٰ“ میں منجن کے استعمال کو مکروہ قرار دیا ہے۔^(۲)

اس لیے بلا عذر منجن یا ٹوتھ پیسٹ کا استعمال روزے کی حالت میں درست نہ ہوگا؛ البتہ کوئی عذر ایسا ہو، جس میں بغیر اس کے استعمال کے پریشانی ہوتی ہے، تو اس کی اجازت ہوگی؛ چنانچہ مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمۃ اللہ نے اس عذر کی بنا پر کہ مسوڑھوں سے خون اور مواد نکلتا ہے، منجن کے استعمال کی اجازت دی ہے۔^(۳) حاصل یہ کہ بلا عذر محض دانتوں کی صفائی کے لیے روزے کی حالت میں اس کا استعمال مکروہ ہوگا؛ کیوں کہ دانتوں کی صفائی رات میں بھی ہو سکتی ہے اور کوئی عذر ہو تو؛ البتہ اس کی اجازت ہے؛ مگر احتیاط کرنا ہوگا کہ حلق کے اندر کوئی اس کا جز نہ چلا جائے۔

(۱) وکروہ ذوق شیء ومضغہ بلا عذر۔ (عائلیہ: ۱/۲۱۹، الدر المختار مع الشامی: ۳/۳۹۵، البحر الرائق: ۲/۲۸۹، مجمع الأنهر مع ملتقى: ۱/۳۶۳، مراقی الفلاح: ۲۴۸، بدائع الصنائع: ۲/۶۳۵)

(۲) چنانچہ سائل نے اسی مسئلے کی بابت کسی کا اعتراض و تعریف نقل کر کے سوال کیا، تو حضرت رحمۃ اللہ نے نصوص فقہاء ذکر کر کے، جواب دیا کہ

”ان روایات سے واضح ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے اور اگر عادتہ جوف کے

اندر پہنچ جاوے، تو مفسد صوم ہے۔“ (امداد الفتاویٰ: ۲/۱۳۱)

(۳) چنانچہ سوال ہوا کہ: جب کہ مسوڑھوں سے خون اور مواد نکلتا ہو، تو کسی ایسے منجن کا جو حلس خون اور دافع مواد ہو، استعمال جائز ہے یا نہ؟ جواب: جائز ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم: ۶/۴۰۳)

روزے میں پرفیوم (Perfume) اور دیگر خوشبوؤں کا استعمال

روزے میں پرفیوم یا دیگر خوشبوؤں کا استعمال، روزے کو فاسد نہیں کرتا اور نہ ہی یہ مکروہ ہے؛ چنانچہ علامہ شامی ”امداد الفتاح“ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”لا یکرہ للصائم شم رائحة المسک و الورد و نحوه مما لا یكون جوہراً متصلاً کالدخان.“ (۱)

ترجمہ: روزہ دار کے لیے مشک یا گلاب وغیرہ ایسی چیزوں کی خوشبو سونگھنا مکروہ نہیں ہے، جو جوہر متصل نہ ہو، جیسے دھواں۔

البتہ پرفیوم کا استعمال بہ جائے خود اچھی چیز نہیں ہے؛ کیوں کہ جیسا کہ مشہور ہے، اس میں الکحل (Alcohol) ملایا جاتا ہے، جو نجس جوہر ”شراب“ ہے؛ اس لیے اس سے ہمیشہ ہی احتیاط کرنا چاہیے۔

بے ہوش کرنے اور اعضا کو سُنَد کرنے کا روزے پر اثر

روزے کی حالت میں بے ہوش کرنے سے یا اعضا کو بے حس و سُنَد کرنے سے روزے پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟ کیا اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ مکروہ ہوتا ہے یا نہیں؟

جہاں تک مسئلہ ہے روزے کی حالت میں ”کلوروفارم“ یا اسی طرح کی کوئی اور دوا سے جو، حواس کو معطل اور آدمی کو بے ہوش کر دیتی ہے، بے ہوش و بے حس کرنے کا، تو اس کے بارے میں یہ تفصیل ہے، جس سے اس کا روزے پر اثر ظاہر ہوتا ہے۔

بہ ذاتِ خود بے ہوشی کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہو؛ بل کہ بے ہوشی و غشی کے طاری ہونے پر بھی روزہ رہتا ہے، فاسد نہیں ہوتا؛ چنانچہ

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۳/۳۹۷

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ

”ومن أغمي عليه في رمضان ، لم يقض اليوم الذي
حدث فيه الإغماء لوجود الصوم فيه ، وهو الإمساك
المقرون بالنية“.

ترجمہ: جس پر رمضان میں غشی طاری ہو جائے، وہ اس دن
کے روزے کی قضا نہ کرے، جس دن کہ اس پر بے ہوشی طاری ہوئی؛
کیوں کہ اس دن کا روزہ پایا گیا اور وہ ہے (کھانے پینے، جماع)
سے روکے رہنا نیت کے ساتھ۔^(۱)

”الجوهرة النيرة“ میں بھی اس کو تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا
ہے۔^(۲)

اور عالمگیری میں ہے کہ:

”ولو أغمي عليه رمضان كله ، قضاہ ؛ وإن أغمي
عليه بعد ما غربت الشمس و بقي كذلك أياماً لم يقض
تلك الليلة ؛ لأنه إن كان يعلم أنه نوى الصوم فظاهر ، و
إن لم يعلم فظاهر حاله النية.“^(۳)

اس میں وضاحت ہے کہ جس شخص پر رمضان میں غشی طاری ہوئی، وہ اس دن
کی قضا نہ کرے، جس دن کہ اس پر غشی طاری ہوئی؛ کیوں کہ اس کا روزہ ہے؛ البتہ
دوسرے دنوں کا روزہ قضا رکھنا ہوگا؛ کیوں کہ ان دنوں بے ہوشی کی وجہ سے اس نے

(۱) الهداية: ۲/۲۷۳

(۲) الجوهرة النيرة: ۱/۲۰۹

(۳) عالمگیری: ۱/۲۰۸

نیت نہیں کی اور بغیر نیت کے روزہ نہیں ہوتا، ”عالمگیری“ کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ افطار کے بعد کسی پر غشی طاری ہو جائے اور اسی حالت پر چند ایام گزر جائیں، تو پہلے دن کا روزہ قضا کرنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ مسلمان سے یہی امید ہے کہ اس نے روزے کی نیت کی ہوگی؛ لہذا روزہ ہو گیا، اگرچہ وہ بے ہوش تھا؛ اس سے اتنا معلوم ہو گیا کہ ”بہ جائے خود بے ہوشی سے روزہ فاسد نہیں ہوتا“۔

البتہ اس سلسلے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان حواس کو معطل کر دینے والی دواؤں کو کس طرح استعمال کرایا جاتا ہے، اگر ایسی صورت اختیار کی گئی، جس سے دوا بدن کے اندر جوف میں بہ ذریعہ منفذ اصلی پہنچتی ہو، تو روزہ فاسد ہو جائے گا؛ مثلاً ناک کے ذریعے سونگھائی گئی اور اس کی تیزی دماغ تک پہنچی، تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر ایسی صورت اختیار کی گئی، جس سے یہ دوا جوف میں نہیں پہنچتی، یا بہ ذریعہ منفذ اصلی نہیں پہنچتی، تو روزہ فاسد نہ ہوگا؛ مثلاً انجکشن کے ذریعے یہ دوا دی گئی اور آدمی بے ہوش ہو گیا، تو روزہ نہیں گیا۔^(۱)

جہاں تک مسئلہ ہے اعضا کو سند و بے حس کرنے کا، تو اس میں عام طور پر انجکشن کے ذریعے دوائی دی جاتی ہے اور جس حصے کو سند کرنا ہوتا ہے، وہیں یہ انجکشن لگایا جاتا ہے، جس سے وہ حصہ کچھ دیر میں بے حس ہو جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ جیسا کہ اوپر انجکشن کے مسئلے میں

(۱) ”المجمع الفقہ الاسلامی، جلدہ“ نے اپنے دسویں سمینار - منعقدہ: ۲۳/۲۸ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ - میں اس سلسلے میں جو قرارداد منظور کی ہے، اس میں متعدد چیزوں کو غیر مفسد قرار دیا ہے، ان میں سے ایک یہ لکھا ہے کہ

”غازات التخدير مالم يعطي المريض سوائل (محاليل) مغذية“ (مجلة المجمع: العدد: ۱۰)

وضاحت سے عرض کیا گیا ہے، روزہ اس وقت فاسد ہوتا ہے، جب کوئی مفید چیز جوف میں بذریعہ منفذ اصلی پہنچائی جائے اور انجکشن میں منفذ اصلی سے دوا نہیں جاتی؛ لہذا روزہ اس سے فاسد نہیں ہوتا۔

روزے کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ یا دوا ڈالنا

عام طور پر کتب فقہ میں آنکھوں میں سرمہ یا دوا کے استعمال کو روزہ دار کے لیے درست اور غیر مفسدِ صوم قرار دیا گیا ہے؛ حتیٰ کہ فقہانے لکھا ہے کہ آنکھوں کے سرمہ اور دوا کا مزہ حلق میں محسوس ہونے لگے، تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

چنانچہ ”البزازیة“ میں ہے:

”لا یفسد الا کتعال ، ولو وجد طعمه.“

ترجمہ: سرمہ لگانا مفسد نہیں، اگرچہ مزہ معلوم ہو۔^(۱)

مگر زمانہ حال کی جدید طبی تحقیقات نے علما کو اس پر نظر ثانی کی زحمت دی ہے؛ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرات فقہائے کرام نے سرمہ اور دوا کے آنکھ میں ڈالنے کو روزے کے لیے جو غیر مفسد قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آنکھ اور جوف کے درمیان کوئی منفذ اصلی نہیں ہے اور جب منفذ نہیں ہے، تو سرمہ یا دوا کے استعمال سے یہ اندیشہ نہیں ہے کہ یہ منفذ سے جوف تک پہنچیں گے اور یہ ثابت ہے کہ روزے کو فاسد کرنے والی چیز وہی ہے، جو جوف تک پہنچے اور بذریعہ منفذ اصلی پہنچے؛ چنانچہ علما نے جو یہ لکھا ہے کہ آنکھ کے سرمے کا اثر اگرچہ حلق میں محسوس ہو، روزہ اس سے نہیں ٹوٹتا، اس کی وجہ علامہ شامی رحمہ اللہ یہ نقل کرتے ہیں کہ

”لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي

(۱) البزازیة علی هامش الہندیة ۱/ ۹۷، نیز دیکھو: عالمگیری ۱/ ۲۰۳

هو خلل البدن ، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ۔“
ترجمہ: حلق میں جو (سرمہ) موجود ہے، یہ وہ اثر ہے، جو
مسامات بدن سے داخل ہوا ہے اور اس روزے کو وہ چیز توڑتی ہے،
جو منفذ سے داخل ہو۔ (۱)

اس سے اتنا معلوم ہوا کہ حضراتِ علماء و فقہا نے آنکھ اور جوف کے درمیان منفذ
نہ ہونے کی بنا پر یہ فیصلہ کیا کہ ”آنکھ میں سرمہ ڈالنا مفسدِ صوم نہیں۔“
چنانچہ ”ہدایہ“ میں ہے:

”ولو اكتحل لم يفطر ؛ لانه ليس بين العين و
الدماع منفذ۔“

ترجمہ: اگر سرمہ لگایا، تو روزہ نہیں ٹوٹا؛ کیوں کہ آنکھ اور دماغ
کے درمیان راستہ نہیں۔ (۲)

مگر آج کی طبی تحقیقات نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آنکھ اور جوف کے درمیان منفذ
موجود ہے، اس تحقیق پر یہ مسئلہ کہ ”آنکھ میں دوا ڈالنا یا سرمہ لگانا روزے کو توڑ دیتا
ہے یا نہیں؟“ از سر نو زیر بحث لانے کا محتاج ہو گیا ہے۔
اس سلسلے میں اصولی طور پر دو باتیں ملحوظ ہونی چاہیے:

۱۔ ایک تو یہ کہ حضراتِ فقہا نے جن مسائل کی بنیادِ علم، تشریحِ اعضا پر رکھی
ہے، ان میں انھوں نے اپنے زمانے کے ماہرین و محققین کی تحقیقات پر بھروسہ کیا
ہے، انھوں نے خود یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان تحقیقات کی بنیاد ہمارے علم پر ہے؛ بل کہ
بعض جگہ وضاحت کر دی کہ یہ مسائل فقہ سے متعلق نہیں؛ بل کہ علمِ تشریح سے تعلق

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۳/۳۶۷

(۲) الہدایہ: ۲/۲۵۵

رکھتے ہیں، اس سے جو ثبوت ہوگا، اسی پر مسئلہ شرعیہ کا انطباق ہوگا؛ چنانچہ صاحب ”ہدایہ“ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ

”اگر کوئی اپنے ذکر میں قطرہ ٹپکا لے، تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسئلہ ہے اور حضرت ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روزہ فاسد ہو جائے گا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ

”گویا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ ذکر (پیشاب گاہ) اور جوف کے درمیان منفذ ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ثابت ہو گیا تھا کہ ان دونوں کے مابین مثانہ حائل ہے اور یہ تحقیق فقہ کے باب سے متعلق نہیں ہے۔“ (۱) اور ”فتاویٰ خانہ“ میں ہے:

”لأبي حنيفة رحمه الله أن المثانة ليس لها منفذ ، وإنما يخرج البول منها بطريق الترشح ؛ وهذا الكلام يرجع إلى الطب“ (۲)

(۱) صاحب ہدایہ کی پوری عبارت یہ ہے:

”ولو أقطر في إحليله لم يفطر عند أبي حنيفة رحمه الله وقال أبو يوسف رحمه الله : يفطر . وقول محمد رحمه الله مضطرب فيه ، فكأنه وقع عند أبي يوسف أن بينه وبين الجوف منفذاً ، ولهذا يخرج منه البول ، ووقع عند أبي حنيفة أن المثانة بينهما حائل ، و البول يترشح منه ، وهذا ليس من باب الفقه“ . (الهداية: ۳/۲۶۲)

(۲) فتاویٰ خانہ علیٰ هامش الہندیہ: ۲۱۱/۱

ترجمہ: یعنی اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مٹانے کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے اور پیشاب جو نکلتا ہے، وہ بہ طریق تشریح نکلتا ہے اور یہ کلام دراصل طب سے متعلق ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات فقہانے منفذ ہونے نہ ہونے کی تحقیق کو باب فقہ سے نہیں؛ بل کہ علم تشریح سے متعلق قرار دیا ہے، جس کو جاننے کے وہ مدعی نہیں؛ بل کہ جس کے پاس جو بات اس علم سے ثابت ہوئی، اس نے اس کے متعلق فتویٰ دیا ہے؛ لہذا اس قسم کی جدید تحقیقات پر بھروسہ کر کے مسائل فقہ پر غور کرنا درست ہے؛ کیوں کہ فقہانے بھی اس پر اعتماد کیا ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ جن مسائل کی بنیاد علم تشریح اعضا پر نہیں؛ بل کہ قرآن یا حدیث کی نص پر رکھی گئی ہے، ان میں اگرچہ فقہانے توضیح مطلب و افہام و تفہیم کے لیے اپنے زمانے کی تحقیقات بھی پیش کی ہوں؛ لیکن جدید تحقیقات کی رو سے ان مسائل میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی جاسکتی؛ کیوں کہ یہاں مسئلے کی بنیاد قرآن و حدیث کی نصوص ہیں۔ (۱)

اس اصول پر کہا جائے گا کہ بہ حالت روزہ سرمہ لگانا؛ چوں کہ نص سے ثابت ہے؛ لہذا سرمہ لگانا مفسدِ صوم نہیں ہے؛ کیوں کہ اس مسئلے کی بنیاد نص ہے، نہ کہ علم تشریح کی تحقیقات؛ لہذا سرمے کے جواز اور غیر مفسد ہونے میں کسی جدید تحقیق کی بنا پر ترمیم کی گنجائش نہ ہوگی۔

اب رہی یہ بات کہ آنکھ میں سرمہ ڈالنے کا جواز اور اس کا غیر مفسد ہونا کون سی نص سے ثابت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض

(۱) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ نے ”امداد الفتاویٰ“ میں ان دونوں اصولوں کی تصریح فرمائی ہے۔

روایات میں اس کا ثبوت ملتا ہے، جیسے ”بیہقی“ نے روایت کیا ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرمہ لگاتے تھے، اس حال میں کہ
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے ہوتے۔ (۱)

اس حدیث پر محدثین نے نکارت اور ضعف کا حکم لگایا ہے؛ کیوں کہ اس کے
 ایک راوی ”محمد بن عبید اللہ“ کے بارے میں جرح کی گئی ہے کہ ”منکر الحدیث“ ہیں؛
 مگر علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ امام حاکم ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ نے
 ان کی توثیق کی ہے۔ (۲)

”ناصر الدین البانی“ نے اس حدیث کو ”صحیح لابن خزيمة“ کے
 حوالے سے نقل کر کے اس پر ”ضعف“ کا حکم لگایا ہے اور علامہ بیہقی رحمۃ اللہ سے
 نقل کیا ہے کہ محمد بن عبید اللہ کی توثیق کی گئی ہے۔ (۳)

غرض یہ کہ یہ حدیث صحیح تو نہیں ہے؛ مگر اتنی ضعیف بھی نہیں کہ ناقابل احتجاج
 ہو؛ بل کہ ایک درجے میں قابل احتجاج ہے اور پھر بعض اور احادیث سے اس کی
 تائید ہوتی ہے؛ چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے
 روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا
 اور عرض کیا کہ میری آنکھ میں کچھ تکلیف ہے، کیا میں روزے کی حالت میں سرمہ
 لگا سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، لگا سکتے ہو۔ (۴)

(۱) روی محمد بن عبید اللہ عن جده أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یکتحل
 بالإثمد وهو صائم . (البیہقی ۴/۲۳۶، الرقم ۸۲۵۵)

(۲) إعلاء السنن ۱۱۷/۹

(۳) سلسلة الأحادیث الضعیفة ۴/۴۹

(۴) عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل إلى النبی صلی اللہ علیہ وسلم،
 فقال: اشتکت عینی، أفاکتحل وأنا صائم؟ قال: نعم . (الترمذی ۲/۹۷، الرقم ۷۲۶)

یہ روایت بھی ضعیف ہے؛ کیوں کہ اس کا راوی ”ابوعاتکہ“ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، تاہم یہ روایت پہلی روایت کو تقویت دیتی ہے۔ غرض سرے کے جواز اور غیر مفسد ہونے کی بنیاد طبی تحقیقات نہیں؛ لہذا اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ آنکھ اور جوفِ معدے میں کوئی منفذ ہے، تب بھی سرے کے غیر مفسد ہونے کے حکم میں کوئی ترمیم نہ کی جائے گی اور یہ حکم برقرار رہے گا۔ ہاں! یہ بھی ذہن میں رہے کہ بعض علما کے نزدیک آنکھ میں سرمہ ڈالنا مفسد ہے؛ مگر ان کے اس قول کی بنیاد بھی کوئی طبی تحقیق نہیں؛ بل کہ بعض اور احادیث ہیں، جیسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار سرمہ لگانے سے بچے۔ (۱) مگر خود امام ابو داؤد رحمۃ اللہ نے اس کو منکر قرار دیا ہے اور علامہ البانی نے بھی اس پر تفصیل سے کلام کر کے اس کو ”منکر“ قرار دیا ہے۔ (۲)

غرض یہ کہ علما نے سرے کے مفسد ہونے نہ ہونے کا مدار احیث پر رکھا ہے، طبی تحقیق پر نہیں؛ البتہ اگر طبی تحقیق سے یقینی طور پر ثابت ہو جائے کہ آنکھ اور جوفِ معدے میں منفذ ہے، تو دوسری دواؤں وغیرہ کے آنکھ میں ڈالنے کو مفسد قرار دیا جاسکتا ہے؛ مگر شرط یہ ہے کہ یہ نظریہ محض نظریہ نہ ہو؛ بل کہ پایہ تحقیق کو پہنچ جائے۔ (۳)

(۱) عن عبد الرحمن ابن النعمان عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم انه امر بالاثمد المروءح عند النوم وقال: لِيَتَّقِيَ الصَّائِمُ. (ابو داؤد: ۱۵۶/۳، الرقم: ۲۳۶۹)

(۲) سلسلة الأحاديث الضعيفة: ۷۵/۳

(۳) راقم حقیق نے اس مسئلہ طبعیہ کی تحقیق کے لیے متعدد ڈاکٹروں سے رجوع کیا اور یہ تجویز رکھی کہ اس سلسلے میں ایک سوال مرتب کر کے متعدد طبی سائنسی اداروں کو بھیجا جائے اور سب کے جوابات سامنے رکھ کر کسی نتیجے پر پہنچا جائے؛ چنانچہ میرے بعض دوست ڈاکٹروں نے بعض اداروں کو سوال نامہ بھیجا؛ مگر افسوس کہ دو سال ہو چکے، کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ (شعیب)

روزے میں آنکھ میں لینس (Lens) لگانا جائز ہے

ایک اہم سوال یہ ہے کہ میں نے آنکھ میں لینس (Lens) لگایا ہے اور اس کو سوتے ہوئے نکال دیا کرتا ہوں اور لینس کو ایک خاص کلوئڈ (سیال مادے) میں رکھنا پڑتا ہے، پھر اسی پانی سے اٹھا کر آنکھ میں لگانا پڑتا ہے، اب رمضان قریب ہے، تو سوال یہ ہے کہ ”روزے کی حالت میں لینس آنکھ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟“
(سائل: کبیر الدین)

آنکھ میں لینس روزے کی حالت میں داخل کرنا جائز و درست ہے اور جو سیال مادہ اس میں لگا ہوتا ہے، اس کے آنکھ میں جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ فقہانے لکھا ہے کہ آنکھ میں دوائی ڈالنا جائز ہے، اسی طرح سرمہ لگانا جائز ہے؛ لہذا یہ پانی اگر آنکھ میں چلا جائے، تو کوئی حرج نہیں۔

ترکِ روزے میں غیر مسلم یا فاسق ڈاکٹر کے قول پر عمل

جن عذروں کی بنا پر روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، ان میں سے ایک ایسی بیماری بھی ہے، جو روزہ رکھنے سے کیفاً یا کماً بڑھ جانے والی ہو؛ مگر اس صورت میں روزہ ترک کر دینا، اس وقت جائز ہوتا ہے؛ جب کہ کسی مسلمان متقی ڈاکٹر نے ترکِ روزے کا مشورہ و حکم دیا ہو، جیسا کہ ”درمختار میں“ لکھا ہے کہ وہ ڈاکٹر حاذق، مسلم اور کم از کم عدل نہ ہو، تو مستور ہو کہ فسق ظاہر نہ ہو۔^(۱)

(۱) وفي الدر: [أو لمریض خاف زیادة] بإخبار طیب حاذق مسلم مستور [الفطر].
(الدر المختار مع الشامی: ۳/۴۰۳-۴۰۴)

وفي البحر: [لمن خاف زیادة المرض] بإخبار طیب حاذق مسلم غیر ظاہر الفسق [الفطر].
(البحر الرائق: ۲/۴۹۲)

وفي المراقی: لمن خاف زیادة المرض بإخبار طیب مسلم حاذق عدل بداء وقال الکمال: مسلم، حاذق، غیر ظاہر الفسق، جاز الفطر. (مراقی الفلاح: ۲۵۱)

لیکن موجودہ دور میں چوں کہ ڈاکٹر زیادہ تر غیر مسلم یا فاسق ہی ملتے ہیں؛ اس لیے یہ بھی سوال کیا جاتا ہے کہ کیا ایسے حالات میں بھی مسلم و عدل کی قید و شرط لگائی جائے گی، یا غیر مسلم و غیر عدل کے قول پر بھی ترک روزے میں اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دورِ حاضر میں اگرچہ فسق ظاہر ہے اور عادل و باشرع ڈاکٹروں کا ملنا مشکل ہے؛ مگر ناپید و معدوم نہیں؛ اس لیے ایسی صورت میں احتیاط اسی میں ہے کہ تلاش و جستجو سے کام لے کر باشرع ڈاکٹروں سے مشورہ کیا جائے؛ البتہ اگر کوئی ایسی جگہ ہے، جہاں ایسے ڈاکٹر میسر ہی نہ ہوں، تو وہاں غیر مسلم و غیر عدل ڈاکٹر کے قول پر بھی اعتماد کیا جاسکتا ہے؛ جب کہ وہ اسلام کا احترام کرنے والا ہو، جیسے بعض دیگر صورتوں میں بھی علما نے غیر مسلم ڈاکٹر کے قول پر مجبوری میں عمل کرنے کی اجازت دی ہے، مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ اپنے ایک فتوے میں فرماتے ہیں:

” بغیر باشرع طبیبِ حاذق کی تشخیص و مشورے کے ممنوعات شرعیہ کو استعمال نہیں کیا جاسکتا، ہاں! اگر کوئی خطہ یا ملک ایسا ہو، جہاں ایسا طبیب میسر ہی نہ آتا ہو، تو وہاں بہ وجہ مجبوری مطلق طبیب حاذق جو مسلمانوں کے مذہب کا احترام اور اس کی رعایت کرتا ہو اور تجربہ اس پر شاہد ہو اور معتمد و معتبر ہو، خواہ غیر مسلم ہی ہو، اس کی تشخیص پر بھی استعمال کی گنجائش ہو جائے گی۔“ (۱)

الغرض! مجبوری میں اس پر عمل کیا جاسکتا ہے؛ ورنہ عام حالت میں یہ شرط کہ ڈاکٹر مسلم ہو اور عدل یا کم از کم مستور ہو، فقہاء کے کلام میں بے وجہ نہیں ہے، اس کا بھی لحاظ کرنا چاہیے۔

(۱) ماہنامہ دارالعلوم: جلد ۵۳، شمارہ: ۱/۳۷

بہ حالتِ روزہ کانوں میں دوا ڈالنا

کانوں میں کوئی چیز داخل کی جائے، تو روزے کا کیا حکم ہے؟
اس کے بارے میں حضراتِ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر کانوں میں ایسی چیز داخل کی، جس سے صلاحِ بدن متعلق ہے، جیسے دوا یا تیل اور وہ جوف تک پہنچ جائے، تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر ایسی چیز داخل کی، جس سے صلاحِ بدن متعلق نہیں، جیسے ”پانی“، تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔^(۱)

نیز دوا یا تیل کان میں داخل ہونے کی صورت میں روزے کے فاسد ہونے کی وجہ یہی بتائی ہے کہ کانوں کے ذریعے یہ دوا یا تیل جو صالح للبدن (بدن کے لیے مفید) ہے اور کسی صالح للبدن چیز کا جوف میں منفذِ اصلی سے پہنچنا، مفسدِ صوم ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر ناک کی دوا یا تیل جوف تک نہ پہنچے، تو روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ اسی لیے فقہانے لکھا ہے کہ ناک میں کوئی خشک دوا ڈالی جائے، تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر سیال دوا ڈالی جائے، تو ٹوٹ جاتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً سیال چیز اندر جا کر جوف تک اپنا راستہ بنا لیتی ہے، برخلاف خشک دوا کے کہ وہ جوف تک عموماً نہیں پہنچتی۔

(۱) فی الہدایۃ: أو أقطر فی أذنه أقطر. (الہدایۃ: ۲/۲۶۳)

وفي الدر: أو أقطر فی أذنه دهنًا قضی. (الدر المختار مع الشامی: ۳/۳۷۶)
وفي البحر: أو أقطر فی أذنه أقطر. (البحر الرائق: ۲/۴۸۷) [والدهن مفسد للصوم، أما الماء فاختلف فی كونه مفسداً للصوم، فاختار فی الہدایۃ عدم الإفطار سواء دخل بنفسه أو أدخله، وصححه فی المحيط، وفي فتاویٰ قاضی خان: إن خاض الماء فدخل أذنه لا یفسد، وإن صب الماء فی أذنه فالصحيح أنه یفسد. (كذا فی البحر: ۲/۴۸۷، وفي الشامی: ۳/۳۷۷، وفي المراقی: ۲۳۵)

اور اسی پر علامہ شامی رحمۃ اللہ نے ”فتح القدیر“ کے حوالے سے یہ وضاحت نقل کی ہے کہ

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ناک کی دوا جوف تک پہنچے، تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں؛ لہذا اگر خشک دوا کے جوف تک پہنچنے کا یقین ہو جائے، تو اس صورت میں بھی روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر سیال دوا کسی وجہ سے نہ پہنچے تو فاسد نہ ہوگا۔^(۱)

اور کان میں پانی داخل ہونے کی صورت میں اختلاف ہے کہ روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ بعض نے فساد کا قول اختیار کیا ہے اور اس کی وجہ جوف دماغ میں پانی کا پہنچنا قرار دیا ہے اور اکثر نے اس صورت میں عدم فساد کا قول اختیار کیا ہے اور فاسد نہ ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ پانی صالح للبدن نہیں ہے؛ بل کہ کانوں میں اس کا داخل ہونا نقصان دہ ہے؛ لہذا نقصان دہ چیز بدن میں داخل ہو اور منہ سے داخل ہو، تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور منہ سے نہ ہو، تو فاسد نہیں ہوتا۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ روزہ فاسد ہوتا ہے، دو صورتوں میں:

ایک اس وقت، جب صورت کے لحاظ سے افطار ہو یا اس وقت جب معنے کے لحاظ سے افطار پایا جائے؛ اگر صورت اور معنی کسی بھی طرح افطار نہ پایا جائے، تو روزہ فاسد نہیں ہوتا اور صورت افطار یہ ہے کہ کوئی بھی چیز فطری طریقے سے کھائی جائے؛ یعنی منہ کے ذریعے جوف میں داخل کی جائے اور معنے کے لحاظ سے افطار یہ ہے کہ کوئی مفید چیز جوف میں داخل ہو؛ لہذا اگر بدن میں منہ کے علاوہ کسی اور جگہ

(۱) فی الدر المختار: (فوصل الدواء حقيقة) قال الشامي: أشار إلى أن ما وقع

في ظاهر الرواية من تقييد الخ. (الشامي: ۳/۳۷۶)

قال ابن نجيم: لأنه وصل إلى الجوف. (البحر الرائق: ۲/۲۷۸)

سے کوئی چیز پہنچائی جائے، تو یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ مفید بدن ہے یا نہیں؟ اگر مفید ہے، تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر مفید نہیں ہے، تو روزہ فاسد نہ ہوگا؛ کیوں کہ اس صورت میں صورت کے لحاظ سے بھی افطار نہیں پایا گیا اور معنی کے لحاظ سے بھی نہیں پایا گیا؛ پس کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا کہ یہ مفید بدن ہونے کی وجہ سے معنی افطار ہے اور پانی سے فاسد نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ فطری طریقے پر کھانا نہ ہونے کی وجہ سے صورت افطار بھی نہ ہوا اور مفید بدن نہ ہونے کی وجہ سے معنی بھی افطار نہیں ہوا۔^(۱)

الحاصل! کان اور جوفِ معدہ و جوفِ دماغ کے مابین منفذ ہونے کی وجہ سے، فقہانے کان میں دوا و تیل ڈالنے کو مفسدِ صوم قرار دیا ہے؛ بہ شرطے کہ اس کا جوف تک پہنچنا یقینی ہو؛ مگر اب جدید تحقیقات کے حوالے سے ڈاکٹروں نے بتایا ہے کہ کان اور دماغ اور معدے کے مابین کوئی منفذ نہیں ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، حضراتِ فقہائے کرام نے اپنے زمانے کی تحقیقات کے مطابق، ان مسائل میں حکم شرعی بیان کیا ہے؛ اگر ان کے سامنے اس کے خلاف دوسری تحقیق ہوتی، تو دوسرا حکم بیان فرماتے؛ لہذا اگر جدید تحقیقات پوری طرح تسلی و اطمینان کر دیں کہ کان و معدے و دماغ کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہے، جس کی وجہ سے کوئی چیز کان کے ذریعے جوف تک نہیں پہنچتی، تو پھر کہا جائے گا کہ کان میں دوا وغیرہ ڈالنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا؛ البتہ پھر بھی احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو مفسدِ صوم قرار دیا جائے، جیسے فقہانے بعض اور مسائل میں احتیاط کی وجہ سے حکم لگایا ہے۔

روزے میں (NEBULIZER-PUMP) کا استعمال

آستما (ASTHMA) کے بیماروں کے لیے ایک پمپ تیار کیا گیا ہے، جس کو (NEBULIZER-PUMP) کہا جاتا ہے، اس پمپ کو دبانے سے منہ کے ذریعے ذوا، جو دھویں کی شکل میں ہوتی ہے، پھیپڑوں میں پہنچتی ہے اور مریض فوری طور پر راحت محسوس کرتا ہے، اسی طرح بعض اور اسپرے (SPRAY) اس بیماری کے لیے ایجاد ہو چکے ہیں۔

ان کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں علمائے معاصرین میں اختلاف ہوا ہے، بعض حضرات، جیسے ”شیخ عبدالعزیز بن باز“، ”شیخ العثیمین“، ”شیخ ابن جبرین“ وغیرہ نے اس کو غیر مفسد قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے اس کو مفسد قرار دیا ہے۔

جو حضرات اس کو غیر مفسد کہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس آلے میں کل دس ملی لیٹر سیال دوا ہوتی ہے اور اس مقدار کو دو سو مرتبہ اسپرے کیا جاسکتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ میں ایک انتہائی قلیل مقدار اس سے آدمی کے منہ میں داخل ہوتی ہے اور یہ مقدار اولاً تو حلق میں اور وہاں سے جوف میں داخل نہیں ہو سکتی اور اگر داخل بھی ہوئی، تو اس قدر قلیل مقدار کو مفسد نہیں کہا جائے گا۔^(۱)

اور جو حضرات اس کو مفسد کہتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس پمپ کے ذریعے دوا جوف کے اندر پہنچتی ہے، اگرچہ کہ وہ مقدار کے لحاظ سے بہت کم ہی کیوں نہ ہو اور روزے کے فاسد ہونے میں کم یا زیادہ مقدار کا کوئی فرق نہیں ہے، ایک چیز اگر زیادہ مقدار میں مفسد ہے، تو وہ کم مقدار میں بھی مفسد ہے؛ لہذا اس سے روزہ فاسد ہو جائے

(۱) دیکھو: المفطرات المعاصرة، للشيخ خالد بن علي المشيقح

گا، اس پر ہم نے اوپر ”انہیلر“ (Inhaler) کے مسئلے میں بحث کر دی ہے۔
ہاں! جو مریض اس کے بغیر رہ نہیں سکتا اور بیماری کے شدید ہونے کا خطرہ ہو، یا
شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو، تو اس کو اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور جب طبیعت
ٹھیک ہو جائے، تو قضا کرے یا اگر اس کا بھی امکان نہ ہو، تو پھر فدیہ دے دے۔

گیس (GAS) سے روزے پر اثر

آج کل گیس (GAS) کا استعمال عام ہو گیا ہے، پکوان کے لیے بھی اور
روشنی کے لیے بھی، یہ گیس سلنڈروں میں بھری ہوتی ہے اور کبھی کسی غلطی یا خرابی کی
وجہ سے خارج ہونے لگتی ہے اور اس کی بو سے اس کو ہر کوئی محسوس بھی کر سکتا ہے،
روزے کی حالت میں اگر یہ گیس منہ یا ناک کے ذریعے حلق میں داخل ہو جائے، تو
کیا روزہ فاسد ہو جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ گیس خواہ بالقصد یا بلا قصد منہ سے یا ناک سے اندر داخل
ہو جائے، تو روزہ فاسد نہ ہوگا؛ کیوں کہ گیس ایک ہوا ہے اور ہوا کے اندر داخل
ہونے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ اسی لیے کسی خوشبو یا بد بو کے سونگھنے سے روزہ فاسد
نہیں ہوتا۔

اس کتاب کی سابقہ اشاعت میں احقر نے گیس کو دھوئیں پر قیاس کرتے ہوئے
یہ لکھا تھا کہ ”بلا قصد اگر یہ اندر چلا جائے، تو روزہ فاسد نہ ہوگا؛ لیکن اگر بالقصد داخل
ہوا، تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور لکھا تھا کہ اس کی نظیر فقہا کا بیان کردہ یہ مسئلہ ہے کہ
اگر گرد و غبار یا دھواں خود بہ خود بلا قصد کے حلق میں چلا جائے، تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور
اگر بالقصد داخل کیا، تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس مسئلے کی علت یہی بیان کی ہے
کہ گرد و غبار اور دھوئیں سے بچنا ممکن نہیں ہے اور جس صورت میں ممکن ہے، وہاں

بالقصد داخل کرنا مفسدِ صوم ہے، گیس کی صورت بھی تقریباً ایسی ہی ہے؛ لہذا بلا قصد داخل ہو جائے، تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر بچنا ممکن ہو اور پھر بھی بچنے کی کوشش نہ کر کے گیس حلق میں داخل کر لیا، تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔“

لیکن اب میں اس سے رجوع کرتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ اس کو دھویں کے بہ جائے ہو اور قیاس کرنا اقرب ہے؛ لہذا گیس سے کسی بھی صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

روزے میں دوائیِ غرغره کرنے کا حکم

روزے کی حالت میں اگر کسی ضرورت مند کو دوائیِ غرغره کرنا پڑے، مثلاً حلق یا گلے میں سخت تکلیف ہے اور ڈاکٹر نے اس کو دوا دی کہ اس سے غرغره کیا جائے، تو کیا روزے کی حالت میں اس کا استعمال جائز ہے؟ اور کیا اس سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورتِ شدیدہ میں اس کا استعمال کیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے؛ مگر سخت احتیاط کرنا ہوگا کہ کہیں حلق کے نیچے یہ دوائی نہ چلی جائے، اگر حلق کے نیچے چلی گئی، تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ وهو ظاهر

علامہ شیخ العثیمین سے سوال کیا گیا کہ

”هل يبطل الصوم باستعمال دواء الغرغرة؟“

تو جواب لکھا کہ

”لا يبطل الصوم إذا لم يتبلعه، ولكن لا تفعله إلا إذا دعت

الحاجة ولا تفرطه إذا لم يدخل جوفك شيء منه“ (۱)

روزے میں آکسیجن (OXYGEN)

روزے کی حالت میں آکسیجن دینے سے روزہ باقی رہتا ہے یا فاسد ہو جائے گا؟

(۱) فتاویٰ الشیخ العثیمین: ۲۹۰/۱۹

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، جیسے اور قسم کے گیس (GAS) کے اندر داخل ہونے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ آکسیجن ایک ہوا ہے اور اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، یہ اس صورت میں ہے، جب کہ آکسیجن میں کوئی اور چیز دوا وغیرہ کی ملاوٹ نہ ہوتی ہو اور اگر اس کے ساتھ کوئی چیز ملائی جاتی ہو (جس کی احقر کو تحقیق نہیں ہو سکی) تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس صورت میں اس شخص پر، جس کو روزے میں آکسیجن دیا جائے، بعد میں اس کی قضا کرنا لازم ہوگا، کفارہ نہیں۔^(۱)

اس مسئلے میں کتاب کے سابقہ اڈیشن میں، آکسیجن سے روزے کے فاسد ہونے کا حکم لکھا گیا تھا اور اس کی بنیاد یہی تھی کہ آکسیجن میں دوائیاں ملائی جاتی ہیں؛ لیکن بعد میں جب معلومات کی گئیں، تو اس مسئلے میں دو قسم کی باتیں ڈاکٹروں سے معلوم ہوئیں؛ لہذا اب دونوں شقوں کے لحاظ سے مسئلہ لکھا گیا ہے۔

طباخ کو روزے کی حالت میں سالن وغیرہ چکھنا

ہوٹلوں میں اور فیکٹریوں وغیرہ میں جو لوگ پکانے کا کام کرتے ہیں، ان کو روزانہ اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ کھانا اور سالن وغیرہ کو چکھ کر دیکھا جائے، فقہائے کرام نے اس عورت کو، جس کا شوہر بد مزاج ہو اور اس غلام کو، جس کا آقا ظالم ہو؛ اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ روزے میں سالن وغیرہ چکھ کر دیکھ لے۔^(۲)

(۱) لأنه مضطر فلا كفارة عليه ، كما في المراقبي: ۲۴۱

(۲) قال: الذوق بعذر لا يكره ؛ كما في الخانية فيمن كان زوجها سيء الخلق أو سيدها لا بأس بأن تذوق بلسانها. (البحر الرائق: ۲/۲۸۹)

وفي الدر: [وكره ذوق شيء ومضغته بلا عذر] قيد فيهما. قاله العيني: ككون زوجها أو سيدها سيء الخلق فذاقت. (الدر المختار مع الشامى: ۳/۳۹۵)

اب سوال یہ ہے کہ ہوٹلوں وغیرہ کے طبخ و باورچی کو کیا حالتِ روزہ میں چکھنے کی اجازت ہو سکتی ہے؟

راقم کا خیال یہ ہے کہ اجازت ہونی چاہیے؛ کیوں کہ فقہائے کرام نے بلا عذر کسی چیز کے روزے میں چکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے اور یہاں عذر موجود ہے، جیسے عورت اور غلام کے مسئلے میں عذر موجود ہے۔

طبخ کا گذران ہی اس کے اس پیشے پر ہوتا ہے اور اس پیشے کے لیے یہ چیز لازم ہے کہ چکھ کر مزہ معلوم کرے، ورنہ اس کے پیشے پر اثر اور ملازمت میں خلل آ سکتا ہے، یہ عذر ایک اعتبار سے غلام اور عورت کے عذر سے بھی شدید ہے؛ لہذا احقر کی رائے یہ ہے کہ طبخ کو حالتِ روزہ میں اپنے کام کے موقع پر چکھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ (واللہ اعلم)

یہاں تک لکھنے کے بعد ”الفقه على المذاهب الأربعة“ دیکھا، تو اس میں حنفیہ کے مسلک کا ذکر کرتے ہوئے، طبخ کو بھی چکھنے کی اجازت بتائی ہے۔^(۱)

روزے میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل

روزے کی حالت میں گرمی کو دفع کرنے اور ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنا یا پانی میں تر کیا ہوا کپڑا پیٹنا کیا حکم رکھتا ہے؟

اس سلسلے میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں، علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ

(۱) الفقه على المذاهب الأربعة: ۱/۵۶۹

نیز علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ نے بھی اجیر (مزدوری پر پکانے والے) کو اجازت دی ہے۔
فقال: وللمرأة ذوق الطعام إذا كان زوجها سيء الخلق..... وكذا الأمة قلت وكذا الأجير. (مراقی الفلاح: ۲۳۸)

روزہ دار کے لیے نو چیزیں مکروہ نہیں اور ان میں ٹھنڈک کے لیے غسل کرنے اور تر کپڑے سے اپنے کو لپیٹنے کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ یہی مفتی بہ قول ہے۔^(۱)

نیز عالمگیری میں ہے کہ یہی قول ”ظاہر الروایۃ“ ہے۔^(۲)
اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر درمیان سفر میں مقام عرج پر روزے کی حالت میں پیاس یا سخت گرمی کی وجہ سے، اپنے سر پر پانی ڈالا تھا، اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔^(۳)
نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ وہ روزے کی حالت میں کپڑا تر کر کے لپیٹ لیا کرتے تھے۔^(۴)

(۱) قال: وسبعة أشياء لا تكره للصائم والغتسال والتلفف بثوب مبتل للتبرد على المفتي به، (نور الإيضاح مع مراقي الفلاح: ۲۲۸-۲۲۹)

وفي الدر: لا تكره حجامه وتلفف بثوب مبتل ومضمضة أو استنشاق أو اغتسال للتبرد عند الثاني وبه يفتي (درمختار مع شامی: ۳/۳۹۹)

(۲) وكره الاغتسال وصب الماء على الرأس والاستنقاغ في الماء و التلفف بالثوب المبلول. وقال أبو يوسف: لا يكره وهو الأظهر كذا في محيط السرخسي . (عالمگیری: ۱/۲۲۰)

(۳) قال أبو بكر: قال الذي حدثني: لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بالعرج يصب على رأسه الماء وهو صائم من العطش أو من الحر.

(أبو داود بتحقيق عوامة: ۳/۱۵۲، الرقم، ۲۳۵۷، السنن الكبرى للنسائي: ۳/۲۸۸، الرقم: ۳۰۱۷، السنن الكبرى للبيهقي: ۴/۲۳۸، الرقم، ۸۲۶۱)

(۴) عن عبد الله بن أبي عثمان قال: رأيت ابن عمر رضی اللہ عنہما وهو صائم، يبل الثوب ثم يلقه عليه، وكذا يفعله عثمان بن أبي العاص وعبد الرحمن بن الأسود وغيرهم. (المصنف لابن أبي شيبة: ۶/۱۸۶-۱۸۷)

مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے روزے کی حالت میں اس سے منع فرمایا ہے؛ کیوں کہ اس سے بے صبری اور بے چینی کا مظاہرہ ہوتا ہے، جو اچھی بات نہیں۔^(۱) لہذا بلا ضرورت شدیدہ کے ایسا نہ کرے؛ ہاں اگر شدید ضرورت محسوس ہو، تو جمہور کے قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں اور اسی پر فتویٰ بھی ہے، جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔

آرام دہ سواریوں کے ذریعے سفر میں روزہ

آج کے اس سائنسی دور میں انسانوں کی راحت و آرام کے لیے ہزار ہا چیزیں ایجاد ہوتی جا رہی ہیں اور اس میں اضافہ و ترقی بھی ہوتی جا رہی ہے، اس سلسلے میں سفر کی مشکلات و مصائب پر قابو پانے کے لیے اور سفر میں آرام و راحت کی تحصیل کی خاطر آرام دہ سواریاں ایجاد ہو گئیں، جن سے ایک طرف طویل سفر، قصیر مدت میں پورا ہو جاتا ہے، تو دوسری طرف ان میں راحت کے اسباب بھی ہوتے ہیں، ایسی سواریوں پر سفر کرتے ہوئے روزے کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب سے قبل ذہن میں رہے کہ احادیث میں سفر میں روزے کے بارے میں تین طرح کے احکام ملتے ہیں، بعض میں سفر میں روزے کو افضل بتایا گیا ہے اور بعض میں روزہ ترک کرنے کو افضل قرار دیا ہے اور بعض میں دونوں باتوں میں اختیار دیا گیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ

جس نے (سفر) میں روزہ نہ رکھا، تو اس کو رخصت ہے اور جس

(۱) قال : وكرهها أبوحنيفة لما فيها من إظهار الضجر في العبادة .

(الشامي: ۳/۴۰۰، مراقی الفلاح: ۲۳۹، خانية على هامش الهندية: ۱/۲۰۵)

نے روزہ رکھا، تو روزہ رکھنا افضل ہے۔ (۱)

بخاری میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
سفر میں روزہ رکھنا کوئی بھلائی کا کام نہیں۔ (۲)

اور ابوداؤد میں ہے کہ

حضرت حمزہ سلمی نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض
کیا کہ میں ہمیشہ سفر میں رہتا ہوں؛ مگر میرے میں قوت و طاقت ہے،
تو رمضان میں میں روزہ رکھوں یا نہ رکھوں؟ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جیسی مرضی ہو ویسا کر لینا۔“ (۳)

پہلی حدیث سے سفر میں ”روزے کا افضل ہونا“، دوسری سے ”ترک روزے
کا افضل ہونا“ اور تیسری سے ”دونوں باتوں میں اختیار ہونا معلوم ہوا“۔ علما و فقہا

(۱) عن أنس رضی اللہ عنہ - مرفوعاً - من أفطر فرخصة ، ومن صام فالصوم أفضل ،
يعني في السفر . (إعلاء السنن : ۱۵۱/۹ - ۱۵۲ ، كنز العمال : ۵۰۵/۸ ، الرقم : ۲۳۸۵۳)
(۲) عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر
فرأى زحاماً ورجلاً قد ظلل عليه ، فقال : ما هذا ؟ قالوا : صائم ، فقال : ليس من
البر الصوم في السفر .

(البخاري : ۳۶۹ ، الرقم : ۱۹۴۶ ، المسلم : ۴۳۲ ، الرقم : ۱۱۱۵ ، الترمذي : ۸۲/۲ ، الرقم : ۷۱۰ ،
أبو داود : ۲۷۳ ، الرقم : ۲۴۰۷ ، ابن ماجه : ۱۶۳/۳ ، الرقم : ۱۶۶۴)

(۳) عن حمزة الأسلمي قال قلت : يا رسول الله ، إني صاحب ظهر أعالجه
أسافر عليه و أكرهه و إنه ربما صادفني هذا الشهر يعني رمضان و أنا أجد القوة
و أنا شاب و أجد بأن أصوم يا رسول الله أهون علي من أن أؤخره فيكون ديناً
أفأصوم يا رسول الله أعظم أجري أو أفطر ؟ قال : أي ذلك شئت يا حمزة !
(أبو داود : ۲۷۳ ، الرقم : ۲۴۰۳)

نے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جس کو برداشت کی قوت ہو، اس کے لیے سفر میں روزہ افضل ہے اور جس کے لیے کلفت کا سبب ہو، اس کے لیے ترک روزہ افضل ہے، جہاں مشقت متحقق نہ ہو، وہاں اختیار ہے۔^(۱)
اس تفصیل سے مسئلہ مجبوث عنہ کا جواب نکل آیا کہ ”کوئی اور عذر نہ ہو، تو آرام وہ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے۔“

رمضان میں دن میں ہوٹل چلانا

آج کل شہروں میں اور بڑے قصبات میں ہوٹلوں کا عام رواج ہو گیا ہے اور ان کے مالکوں اور ان میں کام کرنے والوں کا گزارہ بھی انہی ہوٹلوں سے وابستہ ہے اور ان میں مسلم و غیر مسلم سبھی آتے اور کھاتے پیتے ہیں۔
سوال یہ ہے کہ رمضان المبارک میں دن کے وقت ہوٹل چلانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاہوری رحمۃ اللہ نے فرمایا:
رمضان کے احترام کی خاطر دن کے وقت ہوٹل بند رکھنا ضروری ہے، کھانے پینے والے خواہ کسی بھی مذہب کے ہوں۔^(۲)
مگر راقم کا خیال یہ ہے کہ رمضان میں دن کے وقت ہوٹل بند رکھنا اچھا ہے، مگر اس کو ضروری قرار دینا دشوار ہے؛ اس لیے کہ شریعت میں بعض لوگوں کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، جیسے مسافر، مریض، دودھ پیتے بچے کی ماں، جب کہ روزہ رکھنے سے نقصان کا اندیشہ ہو، ایسے ہی حاملہ عورت اور بہت ہی بوڑھا آدمی (جس کو فقہاء شیخ

(۱) الترمذی: ۸۲/۲، فتح الباری: ۳۳۳/۵-۳۳۴، عمدۃ القاری: ۶۲/۱۱

(۲) فتاویٰ رحیمیہ: ۱۹۷/۵

فانی“ سے تعبیر کرتے ہیں) ان سب کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔^(۱)

اگر یہ لوگ کھاپی سکتے ہیں، تو ان کے لیے کھانا فراہم کرنا بھی کوئی غلط کام نہ ہونا چاہیے؛ لہذا ہوٹل والا اس نیت سے ہوٹل چلائے کہ اس قسم کے لوگ، جن کو شریعت نے اجازت دی ہے کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں، وہ کھائیں پیئیں، تو اس میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی اور شہروں کا حال یہ ہے کہ وہاں دن رات ہزاروں مسافر آمد و رفت کرتے ہیں؛ نیز بہت سے بڑے بڑے ہسپتال شہروں میں ہوتے ہیں، جہاں مریضوں کے ساتھ تیماردار لوگ رہتے ہیں، ان میں بھی بہت سے دوسرے شہروں اور علاقوں سے آئے ہوئے ہوتے ہیں اور مسافر ہوتے ہیں ایسے لوگوں کی سہولت کے لیے جب شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے، تو ان لوگوں کو کھانے کی فراہمی غلط کیوں؟ اور یہ سب محض خیالات نہیں؛ بل کہ واقعات ہیں؛ لہذا میری رائے میں رمضان میں ہوٹل چلانا فی نفسہ کوئی غلط نہیں اور بند رکھنا واجب نہیں۔

البتہ ہوٹل والوں کو چاہیے کہ رمضان میں کھانے کی جگہ پر پردوں کا اہتمام و انتظام کریں اور ایک بورڈ پر یہ اعلان لکھ دیں کہ

”یہاں صرف ان کے لیے کھانے کا انتظام ہے، جن کو روزہ رکھنے سے کوئی شرعی عذر ہے؛ لہذا بے عذر کوئی صاحب زحمت نہ فرمائیں۔“

(۱) قال: لمن خاف زيادة المرض الفطرو للمسافر؛ وقال: وللحامل والمرضع إن خافتا على الولد أو النفس؛ وقال: وللشيخ الفاني.

(البحر الرائق ۲/ ۴۹۲-۵۰۱، الهدية ۲/ ۲۶۷-۲۷۰، الدر المختار مع الشامی: ۳/ ۴۰۳-۴۰۴)

اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص بلا عذر آتا اور کھاتا ہے، تو ہوٹل والے پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں اور پردوں کی بات اس لیے عرض کی گئی کہ فقہانے صاحب عذر کو بھی چھپ کر کھانے کی ہدایت فرمائی ہے، اگرچہ ایک قول یہ ہے کہ علی الاطلاق اور سب کے سامنے بھی کھا سکتا ہے؛ مگر احتیاط اسی میں ہے کہ چھپ کر کھائے؛ لہذا اس کے پیش نظر پردہ ڈال دینا اچھا ہے۔^(۱)

روزے میں ڈائلیسس (DIALYSIS) کا حکم

آج کا دور بیماریوں کا دور ہے، مختلف قسم کی بیماریاں اور نئی نئی بیماریاں پیدا ہوتی جا رہی ہیں، ان میں ایک عام بیماری گردے کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے گردہ اپنا کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں خون کے اندر فاسد مادہ جمع ہو جاتا ہے، جو گردے کے صحیح ہونے کی صورت میں اس کے عمل سے بدن سے خارج ہو جایا کرتا ہے؛ لہذا خون کو اس فاسد مواد سے صاف کرنے کے لیے گردے کا کام مشینوں (مصنوعی گردے) سے لیا جاتا ہے، جس کو (DIALYSIS) کہا جاتا ہے اور اس کا طریقہ کاریہ ہوتا ہے کہ ایک ٹیوب لگا کر رگوں سے خون کے اندر کے فاسد

(۱) چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ سے سوال ہوا کہ

رمضان میں جو بیمار ہو یا حائضہ، اس کو روزہ داروں کے رو بہ رویان یا روئی وغیرہ کھانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ

في النهاية: قيل: تأكل الحائض سرّاً، وقيل: هي والمسافر والمريض جهراً. (جامع الرموز: ۱/۱۶۳)

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ پوشیدہ ہو کر کھاوے۔ ذکرہ مولانا التھانوی رحمۃ اللہ معزياً إلى جامع الرموز۔

(امداد الفتوی: ۲/۱۴۲)

عناصر و مواد کو خارج کیا جاتا اور دوسرے ٹیوب کے ذریعے صالح خون کو دوبارہ بدن میں داخل کیا جاتا ہے اور خون کی اس صفائی کے لیے ضروری دوائیاں استعمال کی جاتی ہیں، جو خون کو صاف کرتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ روزے کی حالت میں اگر ڈائلیسس کرایا جائے، تو اس کا کیا حکم ہے، اس سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

اس کے جواب میں علما کے خیالات مختلف ہیں، عام طور پر علمائے عرب کا رجحان یہ ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا رروائی میں انسان کے جسم میں دوائیاں پہنچائی جاتی ہیں؛ لہذا اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

سعودی عرب کے مشہور دارالافتا ”اللجنة الدائمة“ کے بڑے بڑے مفتی حضرات، علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز، علامہ عبدالرزاق العفیفی اور شیخ عبداللہ بن عدیان نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ

”مستشفى الملك فيصل“ اور ریاض کے فوجی ہسپتال

کے مدیر سے اس مسئلے کی نوعیت کو جاننے کے بعد ”لجنة“ کا یہ فتویٰ

ہے کہ ڈائلیسس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔^(۱)

اور علامہ شیخ محمد بن صالح العثیمین نے اس مسئلے میں تردد کا اظہار کیا ہے اور لکھا

ہے کہ

کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ گردے صاف کرنے کا عمل حجامت

(”کچھ نہ لگانے“) کی طرح نہیں ہے، حجامت میں تو خون بدن سے نکالا

جاتا ہے اور بدن میں لوٹایا نہیں جاتا اور حدیث کے مطابق حجامت

(۱) فتاویٰ اللجنة الدائمة: ۱۰/۱۹۰-۱۹۱

سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور ڈائلیسس میں خون کو نکال کر صاف کر کے بدن میں لوٹایا جاتا ہے؛ لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں اس کے ساتھ کوئی غذائی مادہ بھی جو کھانے پینے سے مستغنی کر دینے والا ہوتا ہے، وہ اس میں شامل ہو؟ پس اگر ایسا ہے، تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا؛ لہذا جس شخص کو روزانہ اس میں مبتلا ہونے کی نوبت آتی ہے، وہ اس مریض کے حکم میں ہے، جس کو امیدِ صحت نہ ہو اور وہ ہر دن مسکین کو فدیے میں کھانا کھلائے اور اگر کسی دن یہ عمل ہوتا ہو اور کسی دن نہیں، تو اس کو ڈائلیسس کے دن کا روزہ چھوڑ دینا اور بعد میں قضا کر لینا چاہیے اور اگر ڈائلیسس میں کوئی غذائی مواد شامل نہیں ہوتا؛ بل کہ صرف خون کی صفائی ہوتی ہے، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔^(۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی غذائی مادہ خون میں شامل کیا جاتا ہے، تو اس کی وجہ سے اس مریض کا روزہ فاسد ہو جائے گا؛ لیکن اگر غذائی مادے کے بہ جائے صرف کوئی دوائی مواد خون کی صفائی کے لیے شامل کیا جاتا ہے، تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ شیخ عبد اللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے روزے کی حالت میں، مریضِ گردے کے خون کی تبدیلی کے سوال پر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ

”يلزمه القضاء بسبب ما يزود به من الدم النقي، فإن

زود مع ذلك بمادة أخرى فهي مفطر آخر“۔^(۲)

یہ سارے فتاویٰ اس بنیاد پر ہیں کہ خون کے ساتھ غذائی مواد یا کیمیائی مواد

(۱) فتاویٰ الشیخ العثیمین : ۱۹/۱۱۳-۱۱۴

(۲) فتاویٰ بن باز : ۱۵/۲۷۵

اندر داخل کیا جاتا ہے؛ لہذا اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور عام طور پر علمائے عرب کے نزدیک بدن میں غذائی مواد کسی بھی طرح داخل ہو جانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ ڈائلیسس میں اگرچہ خون کے ساتھ غذائی یا کیمیائی مواد بدن میں داخل کیا جاتا ہے؛ مگر یہ رگوں کے ذریعے داخل کیا جاتا ہے، نہ کہ منفذ اصلی سے اور یہ بات انجکشن کے مسئلے کے تحت واضح کر دی گئی ہے کہ بدن کے اندر کسی چیز کا پہنچنا یا پہنچانا دوشرطوں کے ساتھ مفسد ہوتا ہے:

ایک تو یہ کہ یہ چیز جوف بدن میں پہنچے اور دوسرے یہ کہ منفذ اصلی کے راستے سے پہونچے، اگر کوئی چیز بدن میں اندر داخل ہوئی؛ مگر جوف میں نہیں گئی یا جوف میں تو گئی، مگر منفذ اصلی سے نہیں گئی، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ لہذا ڈائلیسس میں غذائی و کیمیائی مواد خون میں شامل کر کے اندر پہنچایا جاتا ہے؛ مگر یہ منفذ اصلی سے نہیں؛ بل کہ رگوں سے پہنچایا جاتا ہے؛ لہذا اس سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہیے؛ تاہم احتیاط یہی ہے کہ روزے کی حالت میں اس سے احتیاط کی جائے، یا کم از کم رات کے وقت کرایا جائے۔

روزے میں ”انیمہ“ (ENEMA) کا حکم

پیٹ کی صفائی کے لیے، ڈاکٹر لوگ ”انیمہ“ (ENEMA) دیتے ہیں، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ پیچھے کے راستے سے دوا پہنچاتے ہیں، اس کو عربی میں ”الاختقان“ کہا جاتا ہے، اس کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہوتا ہے؛ کیوں کہ اس سے مقعد کے ذریعہ دوا اندر پہنچتی ہے اور یہ مفسد صوم ہے، حضرات فقہانے اختقان کا مسئلہ صراحت کے ساتھ لکھا ہے اور اس کو مفسد قرار دیا ہے۔

”وإذا احتقن، أفطر“ (۱)

اور ”بدائع الصنائع“ میں ہے کہ

”وما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ عن المخارق
الأصلية كالأنف والأذن والدبر، بأن استعط أو احتقن
أو أقطر في أذنه، فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد
صومه“ (۲)

دائم المرض کا حکم

بعض امراض ایسے ہوتے ہیں کہ عموماً ان سے شفا نہیں ہوتی اور ایسے مریض
”دائم المرض“ ہوتے ہیں، جیسے ذیابیطس، بلڈ پریشر، گردے کی بیماری، وغیرہ، اگر
کوئی مریض اس قسم کے مرض کا شکار ہو، تو ایسے مریض پر روزہ رکھنا ضروری ہے یا
اس کے لیے کوئی چھوٹ ہے اور اگر ہے، تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دائم المرض آدمی، اگر ایسی بیماری میں مبتلا ہے کہ اس پر
روزے کا کوئی اثر نہیں پڑتا، تو اس کو روزہ رکھنا چاہیے اور اگر روزہ رکھنے سے نقصان
کا اندیشہ ہو اور مسلمان دین دار ڈاکٹر اس کی تصدیق کرے، تو اس کو روزہ ترک کر
کے اس کے بدلے فدیہ دینے کی گنجائش ہے؛ یہ حکم فقہاء کے بیان کردہ ”شیخ فانی“ کے
حکم سے مستنبط کیا جاسکتا ہے، شیخ فانی کے سلسلے میں فقہانے لکھا ہے کہ اس کو روزے
کے بدلے میں فدیہ دے دینا چاہیے اور شیخ فانی کی تعریف میں کہا ہے کہ

”الذي فنيته قوته أو أشرف على الفناء“ .

(۱) البحر الرائق: ۲/۲۹۹، الدر المختار: ۲/۲۰۲

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۲۲۲

اور بعضوں نے کہا کہ

”الذي كل يوم في نقص إلى أن يموت“ (۱)

اور شیخ فانی کو روزہ نہ رکھنے اور فدیہ دے دینے کی اجازت کا مدار فقہانے روزہ رکھنے سے اس کا مایوس ہو جانا لکھا ہے، ”المحيط البرهاني“ میں ہے کہ
و أما الشيخ الفاني يفطر و يفدي ؛ لأنه وقع اليأس له
عن الصوم ؛ لأن الشيخ الفاني أن يكون عاجزاً عن
الأداء في الحال ، و يزداد عجزه كل يوم إلى أن
يموت“ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اصل علت جواز فدیہ کی ”یأس و مایوسی“ ہے۔
اور اسی لیے۔ بہ قول صاحب المحيط البرهاني۔ فقہانے بیمار اور شیخ فانی
میں فرق کیا ہے کہ شیخ فانی میں یأس ہوتی ہے، جب کہ بیمار میں یأس نہیں ہوتی اور
وجوب فدیہ کی شرط تحقق یأس ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ فانی کے لیے جواز افطار و وجوب فدیہ کی علت روزہ
رکھنے سے مایوس ہو جانا ہے؛ لہذا اگر یہ علت مریض میں پائی جائے، مثلاً مریض ایسا
ہو کہ اس کی صحت یابی کی امید نہ ہو اور روزہ بہ روز کمزور ہوتا جاتا ہو، یا اس کی انتہا
موت ہو، تو اس کا حکم بھی یہی ہونا چاہیے کہ وہ فدیہ دے دے۔

صاحب ”المحيط البرهاني“ نے اوپر کی تفصیل لکھنے کے بعد، اسی بات
کو مشائخ کی جانب منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

”قال مشائخنا : إذا كان مريضاً يعلم أن آخره

(۱) الشامي: البحر الرائق: ۲/۳۰۸

(۲) المحيط البرهاني: ۲/۶۵۵

الموت ، و ابتداءً ذلك حتى أمكنه الإيصاء ، يجعل في هذه الحالة بمنزلة الشيخ الفاني ، و هذا شيء يجب أن يحفظ جداً“ (۱)

عرب کے مشہور فقیہ ”شیخ العثیمین“ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے، وہ اس مسئلے پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

و خلاصة ذلك أن الممرض قسمان: مريض طارئ يرجي زواله، فهذا ينتظر حتى يعافيه الله ، ويقضي، و مريض ملازم ، فهذا يطعم كل يوم مسكينا“ (۲)

اسی طرح شیخ بن باز نے ایک سائل کے جواب میں، جو آدھے جسم پر فالج گر جانے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا تھا، اس کے جواب میں لکھا ہے کہ

” إذا قرر الأطباء المختصون أن مريضك هذا من الأمراض التي لا يرجي برؤها، فالواجب عليك إطعام مسكين عن كل يوم من أيام رمضان ولا صوم عليك، أما إذا قرروا أنه يرجي برؤها فلا يجب عليك إطعام وإنما يجب عليك قضاء الصيام إذا شفاك الله من الممرض“ (۳)

الغرض! جو بیمار دائمی بیماری میں مبتلا ہو اور صحت یابی کی کوئی امید نہ ہو، تو اس کو بھی شیخ فانی کی طرح جائز ہے کہ روزہ چھوڑ دے اور اس کے بدلے میں فدیہ ادا کر دے۔

(۱) المحيط البرهاني: ۲/۱۵۵

(۲) فتاویٰ الشیخ العثیمین: ۱۹/۱۱۰

(۳) فتاویٰ شیخ بن باز: ۱۵/۲۲۱

سرخی (Lipstick) کا حکم

عورتیں اگر روزے کی حالت میں اپنے لبوں پر سرخی یعنی لپ سٹک لگائیں، تو اس کا روزے پر کیا اثر ہوگا، روزہ فاسد یا مکروہ ہوگا یا نہیں؟

جواب یہ ہے کہ لبوں پر سرخی لگانے سے روزہ فاسد تو نہیں ہوتا؛ بشرطے کہ اس کا کوئی جز حلق میں نہ جائے، اگر حلق میں جائے گا، تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر حلق میں نہ جائے؛ لیکن اگر اس کا اثر منہ کے اندر جانے کا خوف ہو، تو مکروہ ہوگا؛ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ

”یہ سرخی لگانا جائز ہے؛ لیکن منہ کے اندر جانے کا احتمال ہو، تو مکروہ ہے۔“ (۱)

بواسیری مسوں پر دوا لگانے اور کانچ تر کر کے چڑھانے کا حکم

بواسیری کی بیماری میں مسوں پر دوا لگانے کا اثر روزے پر کیا ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بواسیری سے دو نوعیت کے ہوتے ہیں: ایک باہر کے مسے، ان پر دوا لگانے سے روزے پر کوئی اثر نہ ہوگا اور دوسرے اندرونی مسے، ان پر دوا لگانے سے جوف تک پہنچ جائے، تو ان پر دوا لگانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے ”فتح القدیر“ میں اور علامہ زیلعی رحمۃ اللہ نے ”تبیین الحقائق“ میں لکھا ہے:

”لو خرج سُرْمُه فغسله ، ثبت ذلك الوصول بلا استبعاد ، فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه بخلاف

ما إذا نشفه ؛ لأن الماء اتصل بظاهر ثم زال قبل أن يصل
إلى الباطن بعود المقعدة“ (۱)

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ سے ”مراقی الفلاح“ میں لکھا ہے کہ

ولو خرج سرمه فغسله إن نشفه قبل أن يقوم و يرجع
لمحلّه لا یفسد صومه لزوال الماء الذي اتصل به“ (۲)

بواسیر والے کو کانچ تر کر کے چڑھانے کا حکم بھی وہی ہے، جو بواسیری مسوں کا
اوپر عرض کیا گیا کہ اس سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ جب کہ بغیر خشک کیے چڑھا
لے اور اگر خشک کرنے کے بعد چڑھائے، تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

سحری سعودی میں - افطار ہندوستان میں

آج کل کی سہولیات نے سفر کو اس قدر آسان کر دیا کہ لمبے لمبے اسفار بہت
جلدی سے قطع ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایک شخص صبح ایک ملک میں کرتا ہے، تو
شام دوسرے ملک میں کرتا ہے اور ان ملکوں کے مابین کی مسافت ہزاروں میل کی
ہوتی ہے؛ لہذا بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص سعودی عرب میں یا کسی اور ملک
میں سحری کرتا ہے اور دوسرے ملک میں جا کر افطار کا وقت ہوتا ہے، تو اس شخص کو
افطار کس ملک کے حساب سے کرنا چاہیے؟

اس کا جواب سب معاصر فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ افطار کے وقت وہ جس ملک
میں ہے، اس کا لحاظ کرتے ہوئے افطار کرے گا؛ لہذا سعودی میں سحری کر کے
ہندوستان آیا، تو افطار ہندوستان کے وقت کے مطابق کرے گا؛ اگرچہ کہ اس کا روزہ

(۱) فتح القدیر: ۲/۳۴۲، تبیین الحقائق: ۲/۱۸۳، احسن الفتاویٰ: ۴/۴۴۰

(۲) مراقی الفلاح: ۲۵۲

اس صورت میں بہت چھوٹا ہوگا؛ کیوں کہ سعودی عرب کا وقت ہندوستان کے لحاظ سے ڈھائی گھنٹے بعد ہوتا ہے؛ لہذا وہ وہاں کے حساب سے جب سحری کرے گا، تو ہندوستان کے لحاظ سے ڈھائی گھنٹے بعد کرے گا اور وہاں سے جب ہندوستان پہنچے گا، تو افطار سعودی عرب کے لحاظ سے ڈھائی گھنٹے پہلے ہوگا؛ مگر اس کے باوجود، اس کو ہندوستان ہی کے لحاظ سے افطار کرنا چاہیے اور اس کے برعکس اگر کوئی ہندوستان میں سحری کرے اور سفر کر کے سعودیہ کو چلا جائے، تو روزہ بڑا ہو جائے گا؛ مگر اس کو بھی اسی اصول کے تحت وہاں کے لحاظ سے افطار کرنا ہوگا۔

شیخ عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فتویٰ دیا ہے، ان سے کسی نے یہ سوال کیا کہ میں نے اپنے ملک میں سحری کی اور اسی دن سعودی میں ریاض کو پہنچ گیا اور اہل ریاض کے ساتھ افطار کیا، جب کہ میرے ملک اور ریاض کے وقت میں ایک گھنٹے کا فرق ہے، تو کیا مجھ پر اس کی قضا ہے؟

تو شیخ نے جواب لکھا کہ اس میں کوئی حرج نہیں؛ اس لیے کہ آدمی جہاں ہوتا ہے، سحری و افطار میں اسی کا حکم لگتا ہے اور دو ملکوں کے مابین دن کے چھوٹا یا بڑا ہونے کا فرق ہوتا ہے اور طلوع و غروب کے پہلے و بعد ہونے کا فرق ہوتا ہے، اس سے کوئی نقصان نہیں۔^(۱)

آنکھ، کان، ناک کے قطرات (Drops) کا حکم

آنکھ، کان، ناک کے قطرات (Drops) کا استعمال روزے کی حالت میں کیا حکم رکھتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا حکم الگ ہے، آنکھ میں ڈالے

(۱) فتاویٰ الشیخ بن باز: ۱۵/۳۲۱-۳۲۲

جانے والے قطرات کا روزے میں استعمال جائز ہے اور اس کا روزے پر کچھ اثر نہیں پڑتا؛ کیوں کہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، روزے کو فاسد کرنے والی چیز وہ ہے، جو جوف میں بہ راہ منفذ اصلی پہنچے اور آنکھ اور جوف میں کوئی منفذ اصلی نہیں ہے؛ لہذا آنکھ میں دوا اور ڈراپس کا استعمال جائز ہے۔

اور کان کے قطرات کا حکم یہ ہے کہ اس سے فقہاء کے قول کے مطابق روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ کان اور جوف کے درمیان منفذ ہے اور اس سے یہ قطرات اندر پہنچتے ہیں اور یہ مفید بدن بھی ہیں؛ لہذا معنی کے لحاظ سے افطار پایا گیا۔

ناک کے قطرات کا حکم بھی یہی ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ ناک ایک منفذ ہے؛ جس سے جوف معدے میں یہ قطرات پہنچتے ہیں اور یہ بات حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ

”بالغ في الاستنشاق إلا أن تكون صائماً.“ (۱)

اس حدیث میں آپ نے ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کا حکم دیا اور روزے کی حالت کو اس سے مستثنیٰ کیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ روزہ میں اگر ناک میں پانی چلا جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ اسی لیے آپ نے روزہ میں مبالغہ کو منع کیا ہے؛ لہذا ناک میں قطرات ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

روزے میں ہونٹوں یا چہرے وغیرہ پر

کریم (cream) کا استعمال

کریم (Cream) مختلف قسم کے استعمال کیے جاتے ہیں، بعض ضرورت

(۱) أبو داود: ۲۳۶۶، الترمذی: ۷۸۸

کے لیے جیسے ہونٹوں اور پیروں کے سردی وغیرہ سے پھٹ جانے پر لگاتے ہیں اور بعض محض آرائش کے لیے، جیسے عموماً عورتیں ہونٹوں پر اور چہرے پر استعمال کرتی ہیں، روزے کی حالت میں ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور روزے پر ان کا کیا اثر ہوگا؟

جواب یہ ہے کہ ان کا استعمال روزے میں جائز ہے اور اس سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ البتہ جو کریم ہونٹوں پر لگائی جاتی ہے، وہ اگر منہ کے اندر جانے کا خوف ہو، تو اس میں کراہت ہے۔

مستقل طور پر ڈرائیونگ (Driving) سے روزہ چھوڑنے کا حکم

کار یا بس یا ٹرین وغیرہ کے ڈرائیور، جو تقریباً ہمیشہ ہی سفر میں رہتے ہیں اور ایک بستی سے دوسری بستی کی جانب چلتے رہتے ہیں، ان کے روزے کے بارے میں سوال یہ ہے کہ مسافر ہونے کی وجہ سے کیا ان کو بھی عام مسافرین کا حکم ہے اور کیا یہ لوگ سفر کی وجہ سے روزہ چھوڑ سکتے ہیں؟ اور اگر چھوڑ سکتے ہیں، تو پھر یہ لوگ اس کی قضا کب کریں، جب کہ یہ ہمیشہ ہی سفر میں رہتے ہیں؟

اس مسئلے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ان کا سفر اڑتا لیس ۲۸ میل یعنی ستتر ۷۷ کلو میٹر یا اس سے زیادہ کا ہو، تو یہ لوگ مسافر ہیں اور مسافر ہونے کی وجہ سے ان کو وہ سہولت بھی ملے گی، جو سفر شرعی کی وجہ سے مسافرین کو ملتی ہے، مثلاً نماز میں قصر، روزے میں تاخیر اور بعد میں اس کی قضا، وغیرہ؛ لہذا ڈرائیور لوگ جو ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں، ان کو اس سہولت سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے؛ یہ لوگ رمضان میں اگر سفر میں ہوں، تو روزہ ترک کر سکتے ہیں اور ان کو بعد میں ان کی روزوں کی قضا کرنی ہوگی، اب رہا یہ سوال کہ لوگ قضا کب کریں؟ تو جواب یہ ہے کہ رمضان کے ایک ماہ کے روزہ پورے سال میں کچھ کچھ کر کے رکھے جاسکتے ہیں اور اپنی چھٹیوں

میں ان کو پورا کر لیں اور اگر یہ مشکل ہو، تو پھر بہتر یہ ہے کہ روزہ نہ چھوڑیں اور رمضان میں ہاتھ کے ہاتھ رکھ لیں، اس میں سہولت رہتی ہے۔

اور اگر یہ ڈرائیور لوگ مذکورہ سفر سے کم کا سفر کریں، یا اپنے شہر اور دیہات میں بس چلاتے ہوں، تو ان کو روزہ چھوڑنے کی کوئی گنجائش نہیں؛ کیوں کہ یہ سفر شرعی نہیں ہے، جس میں سہولتیں ملتی ہیں، علامہ شیخ صالح العثیمین نے لکھا ہے کہ

ڈرائیور بھی سفر شرعی کی صورت میں مسافر ہی ہیں؛ لہذا وہ روزہ ترک کر سکتے ہیں، اگرچہ کہ وہ دائمی طور پر سفر میں رہتے ہوں اور ایسے لوگ جب گھر پر رہیں، تو روزہ رکھ لیں اور سردیوں کے موسم میں روزہ رکھ لیں کہ یہ آسان ہوتے ہیں۔^(۱)

ہوائی جہاز میں سحری و افطار

روزہ دار اگر ہوائی جہاز میں سفر کر رہا ہو، تو اس کو بعض مسائل پیش آتے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اس دوران سحری و افطار کا وقت کس حساب سے مانا جائے؛ کیوں کہ ہوائی جہاز تیز رفتاری کی وجہ سے بہت جلد مسافت قطع کرتا رہتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ شریعت میں سحری کا انتہائی وقت صبح صادق ہے اور افطار کا وقت غروب آفتاب ہے اور ہوائی جہاز کے مسافر کو اس کے معلوم کرنے میں کوئی مشقت نہیں؛ کیوں کہ وہ ہوائی جہاز سے اس کا مشاہدہ اچھی طرح سے کر سکتا ہے کہ صبح صادق ہوگئی یا نہیں اور آفتاب غروب ہو گیا یا نہیں؛ لہذا یہاں مشاہدے سے کام لیتے ہوئے، وہ سحری و افطار کرے۔

اور اگر بادل چھایا ہو، جس کی وجہ سے سورج کا غروب ہونا اور صبح صادق کا

(۱) خلاصہ از: فتاویٰ الشیخ العثیمین: ۱۹/۱۴۱-۱۴۲

ہو جانا معلوم نہ ہو سکے، تو اس وقت ظن غالب سے کام لے اور جو بات غالب گمان سے معلوم ہو، اس پر عمل کر لینا کافی ہے۔ (۱)

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہوائی جہاز میں یہ معلوم کر کے کہ جہاز اس وقت کہاں ہے، اس مقام کی جنتری سے کام لیتے ہوئے سحری و افطار کرے، تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ اس میں احقر کا خیال یہ ہے کہ یہ بات صحیح نہیں؛ کیوں کہ یہ بات معلوم و مسلم ہے کہ زمین اور فضا میں طلوع و غروب آفتاب اور اسی طرح طلوع و غروب سورج کا وقت الگ ہوتا ہے، بسا اوقات زمین پر غروب آفتاب ہو چکا ہوتا ہے؛ مگر ہوائی جہاز میں بیٹھا ہو مسافر سورج کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے؛ اس لیے مقام معلوم کر کے وہاں کی جنتری پر عمل صحیح نہیں۔

(۳) اگر ہوائی جہاز سے اڑان سے پہلے سطح زمین پر دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا؛ اس لیے روزہ دار نے افطار کر لیا، پھر جب اڑان ہوئی، تو دیکھا کہ سورج غروب نہیں ہوا ہے، تو کیا اب وہ روزے کی قضا کرے؟ علمائے لکھا ہے کہ روزے کی قضا کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ وہ جب سطح زمین پر تھا، تو وہاں غروب ہو گیا اور اس کا روزہ مکمل ہو گیا۔ (۲)

(۴) اور اگر ہوائی جہاز میں کسی قریبی شہر کے وقت کا اعلان کیا گیا کہ وہاں افطار کا وقت ہو چکا؛ جب کہ ہوائی جہاز والوں کو سورج ابھی تک نظر آ رہا ہے اور غروب نہیں ہوا ہے، تو ان کو اس اعلان پر افطار کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ ان کا وقت افطار ابھی نہیں ہوا۔ (۳)

(۱) فتاویٰ الشیخ العثیمین: ۳۳۲/۱۹

(۲) فتاویٰ اللجنة الدائمة: ۱۰/۱۳۶، فتاویٰ الشیخ العثیمین: ۳۳۲-۳۳۳

(۳) دیکھو: فتاویٰ اللجنة: ۱۰/۲۹۵-۲۹۸

(۵) اگر ہوائی جہاز پروہاں کے قریبی شہر میں افطار و سحری کا وقت ٹیلی ویژن یا گھڑی سے پتہ لگا کر اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں؛ کیوں کہ جیسا اوپر عرض کیا، ہوائی جہاز کے وقت میں اور نیچے زمین کے وقت میں فرق ہوتا ہے؛ اسی لیے ”اللجنة الدائمة“ کے علمائے لکھا ہے کہ اگر ہوائی جہاز میں روزہ دار گھڑی یا ٹیلی ویژن سے قریبی علاقے کے افطار کا وقت معلوم کر کے افطار کر لے؛ جب کہ اس کو سورج نظر آ رہا ہو، تو یہ جائز نہیں؛ کیوں کہ اس کے حق میں ابھی افطار کا وقت نہیں ہوا۔^(۱)

ہوائی جہاز میں سوار اور بلند عمارات پر

رہنے والوں کے لیے افطار کا وقت

جدید ٹکنالوجی نے ہر چیز میں جدت اور ترقی کا سامان پیدا کر دیا؛ جس کی وجہ سے آج بڑے شہروں میں بڑی بڑی فلک بوس بلند عمارات پائی جاتی ہیں، جو بعض جگہ سو وں سے بھی زیادہ منزلوں پر مشتمل ہیں، ان میں رہنے والوں کو کبھی افطار کے وقت میں نیچے رہنے والوں کے لحاظ سے فرق محسوس ہوتا ہے؛ مثلاً نیچے غروب آفتاب ہو چکا ہے اور اذانِ مغرب ہو رہی ہے؛ لیکن ان بلند عمارات میں رہنے والے اپنی آنکھوں سے سورج کا مشاہدہ کرتے ہیں، تو ان لوگوں کو کس کا اعتبار کرنا چاہیے؟

جواب یہ ہے کہ ہوائی جہاز میں سوار اور بلند عمارات میں رہنے والوں کو اپنے مشاہدے کے مطابق افطار کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ہر شخص کے لیے حکم یہ ہے کہ افطار اس وقت کرے، جب سورج اس کے حق میں غروب ہو جائے؛ لہذا جب سورج کو

(۱) فتاویٰ اللجنة الدائمة: ۱۰/۱۳۶-۱۳۷

غروب ہوتے دیکھے، تو افطار کرے اور اگر سورج کو موجود پائے، تو غروب کا انتظار کرے، نیچے والوں کے لحاظ سے اس کو افطار کی اجازت نہیں ہے۔

امتحانات کی وجہ سے روزے کا ترک

بعض حضرات نے سوال کیا کہ اسکول و کالج یا یونیورسٹی کے امتحانات کے موقع پر طلبہ کو بڑی محنت کرنی پڑتی ہے اور رات دن ایک کر کے اپنے اسباق کو دہرانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر ایسی محنت نہ کی جائے، تو ناکام ہونے کا خطرہ ہے اور اس سے ایک طالب علم کی ساری محنت اور روپیہ پیسہ ضائع ہو جاتا ہے اور بعض طالب علم غریب ہوتے ہیں، تو ان کے لیے یہ ناکامی زندگی کا بڑا مسئلہ ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر امتحانات اگر رمضان میں آجائیں، تو چوں کہ روزے سے رہتے ہوئے محنت مشکل ہے؛ لہذا کیا روزے کو اس کی وجہ سے چھوڑا جاسکتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ امتحانات کی وجہ سے روزے جیسے اہم فرض کو چھوڑنا جائز نہیں، اس سے گناہ لازم آتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان لوگوں کی نظر میں روزے کا دنیا کے مقابلے میں ہلکا ہونا لازم آتا ہے؛ لہذا ایسے طلبہ کو راتوں میں محنت کرنا چاہیے؛ تاکہ کامیاب ہوں اور روزہ ترک نہیں کرنا چاہیے؛ اگر کسی نے ایسا کیا، تو گناہ ہوگا اور اس پر روزے کی قضا لازم ہوگی۔

شیخ العثیمین نے ایک لڑکی کے سوال پر کہ اس نے امتحانات کی وجہ سے چند روزے ترک کر دیے تھے، اب کیا کرنا چاہیے؟ لکھا ہے کہ

امتحان کی وجہ سے روزہ چھوڑنا غلطی ہے اور جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ رات میں مطالعہ کر سکتی تھی اور یہاں کوئی ایسی ضرورت

نہیں ہے کہ روزہ ترک کر دے؛ لہذا اس پر لازم ہے کہ اللہ سے توبہ کرے اور اس پر ان روزوں کی قضا بھی لازم ہے۔^(۱)

اور ”اللجنة الدائمة“ کے مفتیان نے اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ

” الامتحان المدرسي ونحوه لا يعتبر عذراً مباحاً للإفطار في نهار رمضان “^(۲)
اور شیخ بن باز نے لکھا ہے کہ:

” لا يجوز للمكلف الإفطار في رمضان من أجل الاختبار ؛ لأن ذلك ليس من الأعذار الشرعية ؛ بل يجب عليه الصوم ، وجعل المذاكرة في الليل إذا شق عليه فعلها في النهار “^(۳)

ہاں! اسکول و کالج کے ذمہ دار اگر مسلمان ہیں، تو ان کو چاہیے کہ اس سلسلے میں وہ رمضان کا لحاظ و خیال رکھتے ہوئے، امتحانات رمضان میں تجویز نہ کریں؛ بل کہ رمضان سے پہلے یا بعد میں تجویز کریں۔

محنت طلب کام کی وجہ سے ترکِ روزہ

ایک اہم سوال یہ سامنے آیا کہ بعض کارخانوں میں ملازمین کو محنت طلب کاموں پر رکھا جاتا ہے، جیسے لوہے وغیرہ کی فیکٹریوں میں ملازم کو کئی کئی گھنٹے تک

(۱) فتاویٰ الشیخ العثیمین: ۸۵/۱۹

(۲) فتاویٰ اللجنة: ۲۴۱/۱۰

(۳) فتاویٰ الشیخ بن باز: ۲۴۸/۱۵

سخت ترین محنت کا کام کرنا پڑتا ہے اور اس حال میں روزہ رکھنا ان کے بس کا نہیں ہوتا، اب یہ ملازم لوگ روزہ رکھیں، تو کام نہیں کر سکتے اور اگر کام کریں، تو روزہ نہیں رکھ پاتے؛ اسی طرح بعض غریب لوگ کچھ محنت کی کمائی کر کے اپنا گزاران کرتے ہیں اور ان کے کام بھی ایسے ہوتے ہیں کہ روزے کے ساتھ کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو رمضان میں روزہ ترک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

حضراتِ علما نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان لوگوں کو روزہ ترک کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ محنت طلب کام ان عذروں میں سے نہیں ہے، جن کی وجہ سے روزہ چھوڑنے کی گنجائش ملتی ہے؛ لہذا ان پر روزہ فرض ہے اور اس کا ترک حرام ہے اور اس سے وہ لوگ گناہ گار ہوں گے، شیخ نشیمین اور شیخ عبد اللہ بن باز وغیرہ سب نے یہی لکھا ہے۔^(۱)

ہاں! یہ لوگ روزہ رکھنے کے بعد کام کرتے تھک جائیں اور اس کی وجہ سے روزے کو باقی رکھنے میں سخت مشکل پیش آئے، جس کو وہ برداشت نہ کر سکے، تو وہ اس عذر کی وجہ سے روزہ توڑ سکتے ہیں اور بعد میں اس کی قضا کرنا پڑے گا۔
شیخ بن باز لکھتے ہیں کہ

”و أصحاب الأعمال الشاقة داخلون في عموم المكلفين ، وليسوا في معنى المرضى والمسافرين، فيجب عليهم تبيت نية صوم رمضان، وأن يصبخوا صائمين ، و من اضطر منهم للفطر أثناء النهار، فيجوز له أن يفطر بما يدفع اضطراره، ثم يمسك بقية يومه ، و يقضيه في الوقت المناسب ، و من لم يحصل له

(۱) دیکھو: فتاویٰ الشیخ العثیمین: ۸۹/۱۹، فتاویٰ الشیخ عبد اللہ بن باز: ۲۳۵/۱۵-۲۳۶

ضرورة، وجب عليه الاستمرار في الصيام“ (۱)

معدے یا قلب وغیرہ میں تشخیص یا علاج کے لیے ٹیوب داخل کرنا

آج کل تشخیص امراض کے لیے یا علاج کے لیے معدے یا قبل یا دوسرے اعضا میں اندر ٹیوب داخل کیا جاتا ہے اور اس سے اندروں حالات کا اسکیننگ بھی لیا جاتا ہے اور علاج بھی کیا جاتا ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا! الایہ کہ اس ٹیوب میں کوئی دوا بھی استعمال کی جاتی ہو، جو اندر جوف میں پہنچتی ہو؛ پس اگر کوئی دوا اس پر نہیں ہوتی، تو محض اس ٹیوب کے داخل کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ وھو ظاہر!

ہاں! اگر یہ آلہ کسی ضرورت سے اندر ہی چھوڑ دیا جاتا ہو، تو ”احناف“ کے نزدیک اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ اس مسئلے کی نظیر فقہا کا بیان کردہ یہ جزئیہ ہو سکتا ہے:

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

”وکذا روی عن محمد في الصائم : إذا أدخل خشبة في المقعد أنه لا يفسد صومه إلا إذا غاب طرفا الخشبة ، وهذا يدل على أن استقرار الداخل في الجوف شرط فساد الصوم.“ (۲)

اور ”عالمگیری“ میں ہے:

”ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لا يفسد وهو المختار ، إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن

(۱) فتاویٰ الشیخ ابن باز: ۱۵/۲۳۵-۲۳۶

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۲۳۷

فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن .“ (۲)

لہذا ان آلات سے دو صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا: ایک اس وقت جب کہ ان پر کوئی دوا موجود ہو، دوسرے اس وقت جب کہ ان آلات کو بدن میں چھوڑ دیا جائے۔



(۱) عالمگیری ۲۰۴/۱

اعتكاف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اعتکاف

اعتکاف کے متعلق یہاں جن مسائل کو پیش کیا گیا ہے، ان کا تعلق صرف رمضان کے آخری عشرے کے اعتکاف سے ہے، جس کو اعتکاف مسنون کہتے ہیں، اعتکاف واجب و نفل کے مسائل پر یہاں بحث مقصود نہیں۔

مسجد کی پہلی و دوسری منزل پر اعتکاف

آج کل بہت سے شہروں میں مسجدیں دو دو، تین تین منزلہ بھی بننے لگی ہیں اور ممکن ہے کہ آگے چل کر ان منزلوں میں اور اضافہ و ترقی ہو، اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی منزل یا دوسری منزل پر اعتکاف کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؛ جب کہ پہلی دوسری منزلوں میں پنج وقتہ نماز نہیں ہوتی؛ بل کہ وہاں صرف جمعہ یا رمضان کی بعض راتوں میں نماز پڑھی جاتی ہے۔

جواب یہ ہے کہ درست ہے؛ کیوں کہ وہ منزلیں بھی مسجد ہی ہیں، علما نے لکھا ہے کہ ایک جگہ جب مسجد بن گئی، تو وہ جگہ تحت الثرى سے آسمان تک مسجد ہی ہے۔

چنانچہ ”در مختار“ میں اور ”شامی“ میں اس کی تصریح موجود ہے۔^(۱) اور موجودہ صورت حال میں اوپر کی منزلیں اسی کی نیت سے بنائی جاتی ہیں کہ

(۱) قال: وكره تحريماً الوطاء فوقه، والبول والتغوط لأنه مسجد إلى عنان

السماء، وكذا إلى تحت الثرى، (الدر المختار مع الشامی: ۲/۴۲۸)

وہاں نماز پڑھی جائے؛ لہذا اس کے مسجد ہونے میں شبہ نہیں؛ اس لیے اعتکاف کرنا بھی وہاں درست ہے۔

اس سلسلے میں یہ سوال بھی پیش آتا ہے کہ نیچے کے حصے میں اعتکاف کرنے والا، اگر پہلی یا دوسری منزل پر گیا، تو اس کا اعتکاف باقی ہے یا نہیں، ظاہر ہے کہ اس کا اعتکاف برقرار ہے؛ کیوں کہ وہ مسجد ہی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ گیا ہے اور اس کی دلیل فقہ کا یہ صریح جزیئہ ہے کہ مسجد کی چھت پر چڑھنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔^(۱)

مسجد کے تہہ خانے میں اعتکاف

آج کل مسجدیں جس طرح اوپر کی طرف کئی کئی منزلوں میں بن رہی ہیں، اسی طرح بعض مسجدوں میں نیچے کی طرف بھی مسجد کے لیے جگہ بنادی جاتی ہے، جہاں عام طور پر پنج وقتہ نماز نہیں ہوتی؛ البتہ بعض اوقات وہاں بھی نماز باجماعت کا اہتمام ہو جاتا ہے، مثلاً جمعہ میں، رمضان، شبِ برأت اور شبِ قدر میں؛ اس تہہ خانے اور نیچے حصے میں بھی اعتکاف کرنا درست ہے؛ کیوں کہ جیسا کہ اوپر گزرا، مسجد جہاں بنادی جاتی ہے، وہاں تحت الثری سے آسمان تک مسجد ہی ہے اور یہاں تو باقاعدہ مسجد ہی کی نیت سے نیچے تہہ خانہ بھی بنایا جاتا ہے؛ اس لیے اس جگہ بھی اعتکاف کرنا درست ہے، اگرچہ پنج وقتہ نماز وہاں نہ ہوتی ہو؛ کیوں کہ یہ اس مسجد سے الگ نہیں ہے، جس کا یہ تہہ خانہ ہے؛ بل کہ اسی مسجد کا ایک حصہ ہے۔

مسجد کے اوپر اور نیچے کی منزلوں سے آکر جماعت میں شامل ہونا جن مساجد میں کئی منزلہ عمارت ہوتی ہے، وہاں ایک منزل میں جماعت ہوتی

(۱) قال: ولا يبطل الإعتکاف بالصعود إليه، (الشامی: ۲/۴۲۸)

ہے، تو ایسی صورت میں اعتکاف کرنے والا اگر مسجد کے اوپر یا نیچے کی منزل میں اعتکاف میں بیٹھا ہے، تو اس کو بیچ وقت نمازوں یا تراویح کی جماعت کے لیے جماعت خانے میں آکر شامل ہونا درست ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دیگر منزلوں سے جماعت خانے میں آنے کے لیے راستہ مسجد کے اندر ہی سے ہو، تو ظاہر ہے کہ معتکف کا جماعت خانے میں آنا جائز ہے اور اس سے اعتکاف پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ لیکن اگر راستہ مسجد کے اندر سے نہ ہو؛ بل کہ باہر سے ہو، تو کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں احقر نے اس کتاب کی سابقہ اشاعتوں میں لکھا تھا کہ یہ بھی جائز ہے اور اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا اور اس کی وجہ یہ لکھی تھی کہ

”حاجت طبعیہ وحاجت شرعیہ کے لیے مسجد سے نکلنے کی اجازت دی ہے اور جماعت میں شامل ہونا حاجت شرعیہ ہے اور اس پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے ایک فتوے کی عبارت سے استدلال کیا تھا، کسی نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ سے سوال کیا ہے کہ ”جماعت مسجد کے صحن میں ہو رہی ہو، تو معتکف مسجد سے باہر یہاں آکر جماعت میں شامل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ رحمۃ اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ

”ادراک جماعت مثل ادراک جمعہ ضرورت دینیہ ہے، اس

لیے خروج جائز ہے“۔ (۱)

اس سے بندے نے استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ ”لہذا جماعت میں شامل ہونے کے لیے اس شخص کو باہر نکل کر مسجد کے جماعت خانے میں داخل ہونا درست ہے، اس سے اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا“۔

مگر بعد میں بنگلور کی ایک مسجد ”مسجد سر اسماعیل سیٹھ، فریزر ٹاؤن“ کے ایک استفتا کے جواب کے دوران دوبارہ اس مسئلے پر غور کرتے ہوئے، ہمارے جامعہ کے مفتیان کرام کو اس پر شبہ پیدا ہو گیا اور اس شبہ کی بنیاد یہ تھی کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے فتوے میں معتکف کو مسجد کے اندر سے باہر آ کر جماعت میں شرکت کی اجازت دی گئی ہے؛ کیوں کہ جماعت صحن مسجد میں ہو رہی تھی؛ لہذا اس ضرورت شرعیہ کی وجہ سے کہ مسجد میں جب جماعت نہیں ہو رہی ہے، باہر ہو رہی ہے اور اس میں شامل ہونا شرعی ضرورت ہے، یہ جائز ہوا؛ لیکن ہم اب جس مسئلے میں بحث کر رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ جماعت مسجد میں ہو رہی ہے اور معتکف بھی مسجد کے اندر ہے؛ البتہ جماعت کسی منزل پر ہو رہی ہے اور معتکف کسی اور منزل پر ہے، تو یہاں معتکف کو باہر آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ جس منزل پر ہے، وہیں وہ نماز باجماعت میں شامل ہو سکتا ہے۔

الغرض! اس شبہ قویہ کی وجہ سے ہم نے یہ فتویٰ دیا کہ راستہ اگر باہر سے ہو، تو مسجد کی کسی اور منزل سے جماعت میں شامل ہونے کے لیے باہر کے راستے سے آنا جائز نہیں اور اس سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے؛ لہذا صورت مسئلے میں جواب یہ ہے کہ ”باہر راستہ ہونے کی صورت میں نماز اسی منزل میں پڑھ لینا چاہیے، جہاں معتکف اعتکاف میں ہے، باہر کے راستے سے آ کر جماعت میں شامل ہونے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔“

معتکف کا اذان دینے کے لیے باہر نکلنا

اعتکاف کرنے والا شخص اذان دینے کے لیے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں ملحوظ رہے کہ اگر اعتکاف کرنے والا یہ شخص اس مسجد کا مؤذن ہے،

توبہ اتفاق علما اس کو مسجد سے نکلنا درست ہے، اس سے اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔
”الجوہرۃ النیرۃ“ میں ہے:

”ولو كان المؤذن هو المعتكف، فصعد المأذنة للأذان
لا يفسد اعتكافه، ولو كان بابها خارج المسجد“.

ترجمہ: اگر مؤذن ہی اعتکاف کرنے والا ہے اور وہ اذان
دینے منار پر چڑھے، تو اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا؛ اگرچہ اس کا
دروازہ مسجد سے باہر ہو۔^(۱)

اور اگر اعتکاف کرنے والا مؤذن نہیں ہے، تو اس میں اختلاف ہے کہ وہ اذان
دینے کے لیے نکل سکتا ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ غیر مؤذن اذان دینے باہر نکلے
گا، تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے اور بعض کہتے کہ فاسد نہ ہوگا؛ مگر علامہ شامی
اور ابن نجیم اور قاضی خان رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ پہلا قول ضعیف ہے اور صحیح یہ ہے
کہ اس میں مؤذن اور غیر مؤذن میں کوئی فرق نہیں ہے؛ یعنی کوئی بھی مسجد سے
باہر نکل کر اذان دے، تو اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔^(۲)

مسجد کے بیت الخلا ہوتے ہوئے، قضائے حاجت کے لیے گھر جانا
حضرات فقہانے اعتکاف کرنے والے کو قضائے حاجت کے لیے گھر جانے
کی اجازت دی ہے؛ حتیٰ کہ اگر راستے میں کسی عزیز دوست کا گھر ہو، تب بھی اپنے

(۱) الجوہرۃ النیرۃ: ۱/۲۱۳

(۲) قال: [لومؤذناً] هذا قول ضعيف، والصحيح أنه لا فرق بين المؤذن
وغيره، (الدر المختار مع الشامی: ۳/۲۳۶). فقال: أما في غير المؤذن، فيفسد
الاعتكاف والصحيح أن هذا قول الكل في حق الكل؛ لأنه خرج لإقامة سنة
الصلاة وسنها تقام في موضعها فلا تعتبر خارجاً. (البحر الرائق: ۲/۵۲۹)

گھر جانے کی اجازت دی ہے۔^(۱)

لیکن یہ اس وقت کی بات ہے، جب کہ مسجدوں سے متصل آج کل کی طرح بیت الخلا کا انتظام نہ تھا، اب جب کہ تقریباً شہر کی ہر مسجد سے ملے ہوئے بیت الخلا بنے ہوئے ہیں اور پانی کا بھی معقول انتظام ہوتا ہے، یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مختلف مسجد کے بیت الخلا کو چھوڑ کر قضائے حاجت کے لیے اپنے گھر جاسکتا ہے یا نہیں؟

اس سے پہلے کہ اس کا حکم معلوم کریں، یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ فقہانے لکھا ہے کہ اگر کسی آدمی کے دو گھر ہوں، ایک دور ہو اور ایک قریب اور یہ آدمی اعتکاف میں قریب کے گھر کو چھوڑ کر دور کے گھر کو جائے، تو بعض علما کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور بعض کے نزدیک فاسد نہ ہوگا۔^(۲)

علامہ شامی رحمۃ اللہ نے ”النہر الفائق“ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس صورت پر زیر بحث مسجد کے بیت الخلا چھوڑ کر گھر جانے کی صورت کو قیاس کرنا چاہیے؛ لہذا بعض کے نزدیک اس میں بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور بعض کے نزدیک فاسد نہ ہوگا، مگر آگے چل کر علامہ شامی رحمۃ اللہ نے ”رحمتی“ کے حوالے سے ان دونوں صورتوں میں ایک فرق بیان کر کے مسجد کے بیت الخلا چھوڑ کر گھر جانے کی صورت کو بالاتفاق جائز قرار دیا ہے، فرق یہ ہے کہ بعض لوگوں کو اپنے گھر کے علاوہ دوسرے کے گھر سے انس نہیں ہوتا اور قضائے حاجت آسانی

(۱) قال: ولو كان بقرب المسجد بيت صديق له، لم يلزم قضاء الحاجة فيه.

(عالمگیری: ۱/۲۳۳)

(۲) قال: واختلف فيما لو كان له بيتان فأتى البعيد منهما، قيل: فسد، وقيل:

لا (الشامی: ۳/۴۳۵) قال: وإن كان له بيتان قريب وبعيد فقال بعضهم:

لا يجوز أن يمضي إلى البعيد، فإن مضى بطل اعتكافه. (عالمگیری: ۱/۲۳۳)

سے نہیں ہوتی؛ اس لیے اس صورت میں بالاتفاق اعتکاف فاسد نہ ہونا چاہیے۔ (۱)
اس لیے کہ اگر کسی کو مسجد کے بیت الخلا سے وحشت ہوتی ہو، تو اس کے لیے گھر جانے کی گنجائش ہوگی؛ مگر فراغت کے فوراً بعد واپس آ جانا چاہیے، ورنہ اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (۲)

معتکف کا گرمی اور جمعہ کے غسل کے لیے باہر نکلنا

حالت اعتکاف میں جمعہ کے غسل یا گرمی کی شدت کی وجہ سے غسل کرنے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اعتکاف میں صرف دو صورتوں میں مسجد سے نکلنے کی اجازت ہے: ایک حاجت طبعیہ کے لیے اور دوسرے حاجت شرعیہ کے لیے اور گرمی کا غسل نہ حاجت شرعیہ میں داخل ہے نہ حاجت طبعیہ میں حاجت شرعیہ میں داخل نہ ہونا تو ظاہر ہے، اسی طرح جمعہ کا غسل حاجت شرعیہ میں داخل نہ ہونا بھی ظاہر ہے؛ کیوں کہ یہ فرض نہیں ہے اور نہ واجب ہے؛ البتہ گرمی کے لیے غسل اور جمعہ کے لیے غسل کو ممکن ہے کہ حاجت طبعیہ میں داخل سمجھ کر اس کے لیے مسجد سے نکلنے کی گنجائش نکالیں، اس لیے اس کو یہاں ذکر کرنا پڑا۔

سو معلوم ہونا چاہیے کہ گرمی کا غسل حاجت طبعیہ میں بھی داخل نہیں ہے؛ کیوں کہ حضرات فقہانے حاجت طبعیہ کی تعریف یہ کی ہے کہ

(۱) قال: وينبغي أن يخرج على القولين، ما لو ترك بيت الخلا للمسجد القريب و أتى بيته. (نہر). ولا يعد الفرق بين الخلافية وهذه، لأن الإنسان قد لا يألف غير بيته. رحمتي: أي فإذا كان لا يألف غيره بأن لا يتيسر له إلا في بيته فلا يبعد الجواز بلا خلاف. (الشامي: ۳/۳۳۵)

(۲) قال: ويرجع إلى المسجد كما فرغ من الوضوء، ولو مكث في بيته فسد اعتكافه وإن كان ساعة.

”الطبیعیۃ ما لا بد منها وما لا یقضی فی المسجد“.

ترجمہ: حاجتِ طبعیہ وہ ہے، جس کے بغیر چارہ نہ ہو اور اس کو مسجد میں پورا نہ کیا جاسکتا ہو۔^(۱)

اور ظاہر ہے کہ گرمی کا غسل ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو؛ بل کہ گرمی سے بچنے کے لیے اور ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے اور بھی طریقے ہیں، مثلاً: پنکھا کرنا، بھیگا ہوا کپڑا سر یا بدن پر ڈال لینا وغیرہ؛ اس لیے علما نے ٹھنڈک کے لیے غسل کو حاجتِ طبعیہ میں داخل نہیں فرمایا، چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ نے ”امداد الفتاویٰ“ میں غسلِ تبرید کے لیے باہر نکلنے کو مفسد قرار دیا ہے۔^(۲)

اس لیے ایسا نہ کرنا چاہیے اور یہی حال ہے جمعہ کے غسل کا، کہ وہ حاجتِ طبعیہ میں بھی داخل نہیں؛ لہذا اس کے لیے مسجد سے نکلنا مفسدِ اعتکاف ہے۔

البتہ اگر گرمی کے دنوں میں اعتکاف کا موقع آئے اور وہ پہلے ہی نیت کر لے کہ میں گرمی کے غسل کے لیے نکلوں گا، تو اس کے لیے نکلنے کی گنجائش ہو سکتی ہے، جیسے فقہانے نذر کے اعتکاف میں لکھا ہے کہ

اگر نذر کے وقت نیت کر لیا کہ مریض کی عیادت یا نمازِ جنازہ کے لیے یا علم کی مجلس میں شرکت کے لیے نکلوں گا، تو اس کا اعتکاف فاسد

(۱) الشامی: ۳/۴۳۵

(۲) چنانچہ سوال ہوا کہ: گرمی کی وجہ سے غسل خانے میں جا کر روزانہ نہانا جائز ہے؟

الجواب: نہیں۔ سوال: اگر بہ وجہ ناواقفیت کے نہایا ہو، تو اس کا اعتکاف ہوا یا نہیں؟

الجواب: جتنے دن ایسا کیا ہے، اتنے دن کے اعتکاف کی قضا کرے۔

(امداد الفتاویٰ: ۲/۱۵۳-۱۵۴)

اعتکاف ۲۰۴ نہ ہوگا۔ (۱)

مگر چونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس طرح ٹکنا ثابت نہیں ہے؛ اس لیے یہ خلاف سنت ہے؛ البتہ اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔

معتکف کا مسجد میں پان کھانا

اعتکاف کرنے والا مسجد میں پان استعمال کر سکتا ہے؛ کیوں کہ پان مباح چیز ہے اور مباح چیز کا استعمال مسجد میں معتکف کے لیے جائز ہے، ہدایہ میں ہے کہ ”وَأَمَّا الْأَكْلُ وَالشَّرْبُ وَالنُّوْمُ يَكُونُ فِي مَعْتَكِفِهِ“۔ (۲)

ترجمہ: معتکف کا کھانا پینا اور سونا اس کے اعتکاف کی جگہ (مسجد) میں ہوگا۔

پان میں اگر تمباکو استعمال کرے، تو دیکھا جائے گا کہ وہ تمباکو کیسا ہے، اگر بد بودار ہے، تو اجازت نہ ہوگی اور بد بودار نہ ہو، تو اجازت ہوگی۔ (۳)

معتکف کا مسجد میں بیڑی، سگریٹ، حقہ استعمال کرنا

مسجد میں چوں کہ بد بودار چیزوں کا انا، رکھنا، استعمال کرنا سب ناجائز ہے؛

(۱) قال: لو شرط وقت النذر، أن يخرج لعيادة مريض، وصلاة جنازة، وحضور مجلس علم؛ جاز ذلك. (الدر المختار مع الشامی: ۳/۴۳۹)

قال: لو شرط وقت النذر والالتزام أن يخرج إلى عيادة المريض وصلاة الجنازة وحضور مجلس العلم، يجوز له ذلك. (عالمگیری: ۱/۲۳۲)

(۲) الهدایہ: ۲/۲۹۳، عالمگیری: ۱/۲۳۲

(۳) تمباکو کی کئی قسمیں ہیں: بعض میں نشہ یا بد بو ہے، ان کا استعمال، تو کسی صورت جائز نہیں اور بعض میں یہ بات نہیں، تاہم مضرت شدیدہ سے خالی نہ ہونے کی وجہ سے اس قسم کے تمباکو کا استعمال بھی کراہت سے خالی نہیں؛ لہذا اس سے احترازی اولیٰ و بہتر ہے۔

اس لیے معتکف کو یہ اجازت نہ ہوگی کہ وہ مسجد میں بیڑی، سگریٹ اور حقہ استعمال کرے؛ کیوں کہ ان چیزوں میں بھی بدبو ہوتی ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص اس بدبودار درخت میں سے کچھ کھائے؛ یعنی پیاز اور

لہسن، تو وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے۔^(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بدبودار چیزوں کا مسجدوں میں لانا یا اس کا استعمال کرنا ناجائز ہے؛ اسی سے علما نے لکھا ہے کہ مسجد میں مٹی کا تیل استعمال کرنا یا رکھنا ناجائز ہے؛ کیوں کہ اس میں بدبو ہوتی ہے۔^(۲)

اب دیکھنا یہ ہے کہ بیڑی، سگریٹ اور حقے میں بدبو ہوتی ہے یا نہیں؟ ممکن ہے، ان چیزوں کے عادی لوگوں کو اس کی بدبو، خوش بو سے زیادہ مرغوب معلوم ہو؛ مگر جو اس کے عادی نہیں ہیں، ان سے پوچھو کہ یہ کس قدر اذیت و تکلیف دہ چیزیں ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ ”منیۃ الساجد“ میں اوپر کی حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

”مراد یہ ہے کہ جب تک اس (پیاز) کی بدبو منہ سے نہ جائے،

اس وقت تک مسجد میں نہ داخل ہو اور یہی حکم ہر بدبودار چیز کا ہے،

(۱) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال: من أكل من هذه البقلة، الثوم وقال مرة: من أكل البصل و الثوم و الکراث فلا یقرین مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم.

(المسلم واللفظ له: ۲۲۲، الرقم: ۵۶۲، البخاری: ص، ۱۷۳، الرقم: ۸۵۴، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱/۳۹۱، الرقم: ۷۸۸)

(۲) منیۃ الساجد: ۱۰

جیسے: حقہ، سگریٹ اور لہسن وغیرہ۔“ (۱)

غرض! بدبودار چیز کا مسجد میں استعمال، معتکف کے لیے بھی جائز نہیں۔

بیڑی، سگریٹ، حقے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا

بیڑی، سگریٹ، حقے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا درست ہوگا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں! کیوں کہ جیسا اوپر تفصیل سے گذر چکا ہے کہ معتکف صرف دو صورتوں میں مسجد سے نکل سکتا ہے، ایک حاجتِ طبعیہ کے لیے، دوسرے حاجتِ شرعیہ کے لیے اور یہ بھی اوپر گذر چکا کہ حاجتِ طبعیہ اس کو کہتے ہیں، جس کے بغیر چارہ نہ ہو اور یہ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں اس تعریف میں داخل نہیں ہیں؛ کیوں کہ یہ چیزیں ہماری اپنی عادت سے لازمہ بنالی جاتی ہے، نہ کہ طبیعت سے؛ اس لیے ان چیزوں کے لیے باہر نکلنا درست نہ ہوگا۔ مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ نے ”فتاویٰ دارالعلوم“ میں صاف لکھا ہے کہ

”باہر نکلنا بہ غرض حقہ نوشی جائز نہ ہوگا۔“ (۲)

البتہ ایسے لوگوں کو جو اس قسم کی چیزوں کے عادی ہیں، چاہیے کہ بیت الخلا جاتے وقت ان کا استعمال کریں اور مسجد میں داخل ہونے سے پہلے منہ کو اچھی طرح صاف کر لیں۔ ہاں! اگر ایسا عادی ہو چکا ہے کہ ان چیزوں کے ترک سے طبیعت خراب ہونے کا خوف ہو، تو پھر ان چیزوں کو حاجتِ طبعیہ میں شمار کیا جائے گا اور اس حالت میں ان چیزوں کے استعمال کے لیے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا؛ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ ان چیزوں کے استعمال کے بعد منہ سے بدبو زائل کر کے

(۱) منیۃ المساجد: ۱۰

(۲) فتاویٰ دارالعلوم: ۶/۵۰۵

ہر محلے میں اعتکاف سنت ہے

رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ (۲)
ابن عربی نے کہا کہ یہ ”سنت مؤکدہ“ ہے اور ابن بطلان نے فرمایا کہ ”نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر پابندی فرمانے میں اس پر دلیل ہے کہ یہ تاکید سنت
ہے“ اور ابوداؤد نے امام احمد سے نقل کیا کہ ”میں اس کے مسنون ہونے میں علما میں
سے کسی کا اختلاف نہیں جانتا“۔ (۳)

سنت کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ چند لوگ بھی اس کو ادا کر دیں گے، تو سب کی
طرف سے ساقط ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے، تو سب گنہگار ہوں گے۔
اب سوال یہ ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں جہاں کثیر آبادی ہوتی ہے اور سیکڑوں
مساجد ہوتی ہیں، وہاں کیا ہر محلے کی مسجد میں کوئی نہ کوئی اعتکاف کرے یا شہر میں کسی
بھی مسجد میں کسی کے اعتکاف کر لینے سے شہر والوں سے ساقط ہو جائے گا؟

(۱) چنانچہ حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ رقم فرماتے ہیں کہ
اعتکاف کرنے سے پہلے ہی بیڑی چھوڑنے کی کوشش کرے، اگر اس میں کامیابی نہ ہو،
تو تعداد اور مقدار کم کرے اور کچھ مینی ہی پڑے، تو جس وقت استنجا اور طہارت کے لیے نکلے، اس
بیڑی کی حاجت بھی پوری کرے، خاص بیڑی پینے کے لیے نہ نکلے، مگر جب مجبور ہو جائے اور
طبیعت خراب ہونے کا خوف ہو، تو اس کے لیے بھی نکل سکتا ہے کہ ایسی اضطراری حالت کے وقت
یہ طبعی ضرورت میں شمار ہوگا اور محل و مفسد اعتکاف نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۷/۲۷۷-۲۷۸)

(۲) قال: [وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان] أي سنة كفاية.

(الدر المختار مع الشامی: ۳/۴۳۰)

(۳) فتح الباری: ۲/۲۷۲

اس سلسلے میں فقہائے کرام سے کوئی تصریح نہیں ملی؛ البتہ شامی رحمۃ اللہ نے اعتکاف کو تراویح کی نظیر بتایا ہے۔^(۱)

اور تراویح کی جماعت کے بارے میں تین قول بیان کیے ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ شہر کی ہر مسجد میں اقامت تراویح ہونا چاہیے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ شہر کی کسی ایک مسجد میں کافی ہے۔

۳۔ تیسرا یہ کہ ہر محلے کی مسجد میں ہونا چاہیے، علامہ شامی رحمۃ اللہ نے

لکھا ہے کہ صاحب درمختار کے کلام سے پہلی بات ظاہر ہوتی ہے اور طحاوی رحمۃ اللہ نے دوسرے قول کو ظاہر قرار دیا ہے؛ مگر میرے نزدیک تیسرا قول ظاہر ہے کہ ہر محلے کی مسجد میں اقامت تراویح سے سنت کفایہ ادا ہوگی۔^(۲)

اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ شہر کی ہر مسجد میں ہو، تو بہت خوب؛ ورنہ کم از کم ہر محلے کی کسی ایک مسجد میں تو اعتکاف ہونا چاہیے اور یہ اس طرح بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ہر محلہ ایک گاؤں کی طرح ہوتا ہے؛ لہذا ہر محلے کی مسجد میں ہونا چاہیے۔

معتکف کا حجامت بنوانا

معتکف کو اگر حجامت بنوانے کی ضرورت پیش آجائے، تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اس کے لیے مسجد سے باہر جانا مفسد اعتکاف ہے؛ اس لیے اس کی خاطر باہر نہیں جاسکتا۔^(۳)

(۱) قال: نظیرھا إقامة التراويح بالجماعة، (الشامی: ۳/۴۳۰)

(۲) قال: وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أو مسجد واحد منها أو من المحلة؟ ظاهر كلام الشارح الأول، واستظهره الثاني، ويظهر لي الثالث. (الشامی: ۲/۴۹۵)

(۳) چنانچہ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاچپوری رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ ”معتکف کے لیے سرمنڈانے اور غسل مستحب کے لیے مسجد سے نکلنا درست نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۷/۲۷۷)

اور مسجد کے اندر ہی حجامت بنوانا ہو، تو یہ درست ہے؛ مگر اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر خود بنالے یا حجام بغیر مزدوری کے بنائے، تو جائز ہے اور اگر مزدوری لے کر بنائے، تو مسجد میں جائز نہیں؛ اس لیے ایسا کیا جائے کہ معتکف تو مسجد میں رہے اور حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے۔^(۱)

لیکن ہر صورت پر اس کا اہتمام کرے کہ مسجد بالوں سے آلودہ نہ ہو؛ اس لیے کہ مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، اس لیے حجامت بنانے سے قبل، کپڑا وغیرہ بچھالے، تاکہ گرنے والے بال مسجد کے فرش پر نہ گریں۔^(۲)

معتکف کا ڈاڑھی بنوانا

معتکف کے ڈاڑھی بنانے میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اس کے لیے مسجد کے باہر جانا جائز نہیں، اگر جائے گا، تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور اگر مسجد میں بنائے تو، درست ہے؛ مگر حجام کے ذریعے بنوانے میں تفصیل یہ ہے کہ اجرت پر یہ معاملہ مسجد کے اندر ناجائز ہے اور بلا اجرت ہو، تو جائز ہے؛ ہاں! حجام مسجد کے باہر بیٹھ کر ڈاڑھی بنائے اور معتکف مسجد میں ہو، تو درست ہے۔^(۳)

(۱) چنانچہ حضرت مفتی عبدالرشید صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ”اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے اور حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ بدون عوض کام کرتا ہے، تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض ہے، تو معتکف مسجد کے اندر رہے؛ مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۵۱۶/۴)

(۲) چنانچہ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ”سرمنڈانا ضروری ہو، تو اعتکاف کی جگہ میں چادر وغیرہ بچھا کر منڈا سکتا ہے اور پوری احتیاط رکھے کہ بال وغیرہ مسجد میں گرنے نہ پائیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۷۷/۷)

(۳) دیکھیے حوالہ سابق در بیان: ”معتکف کا حجامت بنوانا“

یہاں اس سلسلے میں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ ڈاڑھی بنانے سے مراد یہ ہے کہ ڈاڑھی کو درست کیا جائے یا گالوں پر اگنے والے بالوں کی صفائی کی جائے، اس سے ڈاڑھی منڈانا یا ایک مشت سے کم رکھنا مراد نہیں، ڈاڑھی کا منڈانا اور ایک مشت سے کم کرنا ہر صورت میں حرام ہے۔ (۱)

لہذا مسجد کے اندر اور حالتِ اعتکاف میں یہ کام کرنا سخت حرام و ناجائز ہوگا، اگرچہ اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا؛ مگر اس کا ارتکاب گنہگار بنادیتا ہے۔

حالتِ اعتکاف میں بیمار ہو جائے تو؟

حالتِ اعتکاف میں اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے، تو اولاً اس کی کوشش کرنا چاہیے کہ مسجد ہی میں رہتے ہوئے علاج ہو جائے، مثلاً مسجد ہی میں کسی ڈاکٹر کو بلا کر معائنہ کرائے اور علاج کرائے، اگر اس سے افاقہ نہ ہو یا یہ صورت نہ بن سکے، تو اس کی گنجائش ہے کہ وہ گھر چلا جائے یا ڈاکٹر کے پاس جائے؛ مگر اس سے اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا؛ مگر چوں کہ مجبوری سے ایسا کیا ہے، لہذا گنہگار نہ ہوگا اور اس پر بعد میں قضا کرنا ضروری ہوگی، قاضی خاں رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے:

”إذا خرج ساعة بعذر المرض لم يصرم مستثنى عن

الإيجاب؛ لأنه لا يغلب و قوعه فصار كأنه خرج بغير

عذر إلا أنه لم يأنم في الخروج بعذر المرض“ (۲)

(۱) ڈاڑھی منڈانا اور کترانا (جب کہ ایک مشت سے کم ہو) تمام فقہاء کے نزدیک حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور ڈاڑھی منڈانے اور کترانے والا فاسق اور گنہگار ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۷/۸۷)

(۲) الخانية على هامش الهند: ۲۲۳/۱

اسی طرح شامی اور ابن نجیم رحمہما اللہ نے بھی لکھا ہے۔^(۱)

غرض ایسی صورت میں نکلنا مفسدِ اعتکاف ہے؛ البتہ وہ گنہگار نہ ہوگا، ہاں بعد میں قضا کر لینا چاہیے۔

روزے کے بغیر اعتکاف

اگر کوئی شخص مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکا؛ مگر وہ اعتکاف کرنا چاہتا ہے، تو کیا بغیر روزے کے اعتکاف کرنا درست ہوگا؟

اس سلسلے میں علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ اعتکاف مسنون کے لیے روزہ شرط نہیں ہے؛ کیوں کہ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے ”روزہ صرف نذر کے اعتکاف میں شرط ہے“۔^(۲)

مگر علامہ شامی نے اس سے اختلاف کیا ہے اور فرمایا کہ فقہانے اعتکاف کی تین قسمیں قرار دی ہیں: واجب (نذر کا اعتکاف) سنت اور نفل اور واجب کے لیے روزے کو شرط قرار دیا ہے اور نفل کے لیے روزے کا شرط نہ ہونا بیان کیا ہے؛ مگر سنت اعتکاف سے کوئی تعرض نہیں فرمایا؛ کیوں کہ عادتاً یہ عشرہٴ اخیر کا اعتکاف روزے ہی کے ساتھ ہوتا ہے؛ لہذا اعتکاف مسنون میں بھی روزہ شرط ہونا چاہیے۔^(۳)

(۱) البحر الرائق: ۱/۳۰۳، الشامی: ۲/۴۴۷

(۲) قال: لتصريحهم بأن الصوم إنما هو شرط في المنذور فقط، دون غيره.
(البحر الرائق: ۲/۵۴۴)

(۳) قال: وقوله في البحر: لا يمكن حمله عليه لتصريحهم بأن الصوم إنما هو شرط في المنذور فقط، دون غيره. فيه نظر؛ لأنهم إنما صرحوا بكونه شرطاً في المنذور غير شرط في التطوع،.....

اس کا حاصل یہ ہوا کہ جو شخص بیماری وغیرہ کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے، وہ اعتکافِ مسنون نہیں کر سکتا؛ کیوں کہ روزہ اس کے لیے بھی شرط ہے؛ البتہ ایسا شخص اعتکاف کرے، تو وہ نفلی اعتکاف کا ثواب پائے گا۔

..... و سکتوا عن بیان حکم المسنون لظهور أنه لا يكون إلا بالصوم عادةً، ولهذا قسم في متن الدر الاعتكاف إلى الأقسام الثلاثة: المنذور والمسنون والتطوع، ثم قال: والصوم شرط لصحة الأول لا الثالث، ولم يتعرض للثاني لما قلنا. (الشامي: ۳/۴۳۱)



تراویح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تراویح

تراویح پر اجرت کا مسئلہ

آج کل تراویح میں قرآن سنانے پر اجرت لینے دینے کا رواج عام ہو گیا ہے اور اس قدر اس کا شیوع ہے کہ آج اس مسئلے پر کچھ کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے؛ مگر اہل انصاف سے حق کے قبول کرنے کی توقع پر کچھ کہنے کی ہمت ہوتی ہے۔

حضرات فقہانہ نے عبادات پر اجرت لینے کو حرام قرار دیا ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے؛ چنانچہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔
صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

”والأصل عندنا أن كل طاعة يختص بها المسلم
لا يجوز الاستيجار عليه“ (۱)

ترجمہ: اصل یہ ہے کہ ہر وہ عبادت، جو مسلمان کے ساتھ خاص ہے، اس پر اجرت لینا، دینا جائز نہیں۔
”شرح الوقایة“ میں ہے:

”والأصل عندنا أنه لا يجوز الإجارة على الطاعات و
لا على المعاصي“ (۲)

(۱) الهدایة: ۶/۲۹۶

(۲) شرح الوقایة: ۲۹۹

ترجمہ: ہمارے نزدیک اصل یہ ہے کہ اجارہ جائز نہیں، نہ

طاعات پر نہ گناہوں کے کام پر۔

اسی طرح درمختار، کنز الدقائق، قدوری وغیرہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے اور تراویح کا یا قرآن پڑھنے کا طاعت یا عبادت ہونا ظاہر ہے؛ اس لیے اس حرمت کے حکم میں وہ بھی داخل ہے، پس یہ اجرت لینے دینے کا رواج صریح حرام و ناجائز ہے۔^(۱)

اور فقہائے احناف کا اس سلسلے میں متدل احادیث ہیں، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پڑھو، مگر اس کے ذریعے مت کھاؤ۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ صرف ہڈی ہی ہڈی ہوگا، جس پر گوشت نہ ہوگا۔^(۲)

اب رہی یہ بحث کہ علماء ائمہ فقہ نے اذان، امامت، تعلیم قرآن و فقہ پر اجرت کو کیسے جائز قرار دیا اور اگر ان پر اجرت جائز ہے، تو پھر تراویح پر کیوں جائز نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات ائمہ فقہ نے ان بعض عبادات و طاعات کو حرمت کے اصل حکم سے ضرورت کی بنا پر الگ کیا ہے اور ان پر اجرت لینے

(۱) مختصر القدوری: ۱۰۴، المبسوط للسرخسی: ۲۷/۱۶، الشامی: ۷۶/۹، کنز الدقائق: ۳۳/۸، مجمع الأنهر: ۵۳۲/۳، الفتاویٰ الہندیہ: ۵۰۷/۴، الاختیار لتعلیل المختار: ۵۹/۲

(۲) عن عبد الرحمن بن شبل قال: إني سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: اقرؤوا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه ولا تأكلوا به ولا تستكروا به. (مسند أبویعلی: ۸۸/۳، الرقم: ۱۵۱۸، مجمع الزوائد: ۱۷۰/۴، الرقم: ۶۲۴۵، تحاف الخیرہ: ۳۲۷/۶، الرقم: ۵۹۹۷، نصب الرایۃ: ۱۳۵/۴، الرقم: ۶۸۱۸، الدرایۃ: ۱۸۸/۲، الرقم: ۸۶۶)

دینے کو جائز قرار دیا ہے، ضرورت یہ ہے کہ ”ان چیزوں پر اجرت نہ دی جائے، تو یہ اہم فرائض و شرائع اسلام ضائع ہو جائیں گے۔“

چنانچہ ”ہدایہ“ میں تعلیم قرآن پر اجرت کے جواز کا قول نقل کر کے فرمایا ہے کہ یہ جائز؛ بل کہ اچھا اس لیے ہے کہ آج دینی امور میں سستی غالب ہے، پس اگر اجرت سے منع کریں، تو حفظ قرآن ضائع ہو جائے گا۔^(۱) معلوم ہوا کہ قرآن کی حفاظت و حفظ قرآن جیسے فریضے کی بقا کے واسطے تعلیم قرآن کو جائز قرار دیا ہے، اسی طرح امامت، اذان، وغیرہ پر اجرت کا جواز بھی اسی ضرورت کے پیش نظر ہے۔

چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”وقد اتفقت کلمتہم جمیعاً فی الشروح والفتاویٰ علی التعلیل بالضرورة.“

ترجمہ: تمام علما کا کلام اس پر متفق ہے کہ (ان چیزوں پر اجرت کے جواز) کی علت و وجہ ضرورت ہے؛ یعنی ضرورت کی وجہ سے اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔^(۲)

آگے چل کر بہت صاف بات کہتے ہیں کہ

تمام مشائخ کا کلام اس پر متفق ہے کہ اصل مذہب عدم جواز ہے، پھر ان حضرات نے ان چیزوں کا استثنا کیا ہے، جو تم معلوم کر چکے،

(۱) قال: وبعض مشائخنا استحسنوا الاستنجاہ علی تعلیم القرآن الیوم؛ لأنہ ظہر التوانی فی الأمور الدینیة، ففي الامتناع یضیع حفظ القرآن وعلیہ الفتویٰ. (الہدایہ: ۶/۲۹۶)

(۲) رد المحتار: ۹/۷۶

پس یہ قطعی اور روشن دلیل ہے، اس بات کی کہ ہر طاعت پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ نہیں ہے؛ بل کہ فتویٰ صرف ان چیزوں پر ہے، جو مذکور ہوئے، جن میں ضرورت پائی گئی۔^(۱)

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ہر طاعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے اور نہ علما نے اس پر فتویٰ دیا ہے؛ بل کہ فتویٰ صرف ان چیزوں پر اجرت لینے کے جواز کا ہے، جو فقہاء کے کلام میں مذکور ہے اور ان میں ”تراویح نہیں ہے“ اور تراویح میں ویسی ضرورت بھی متحقق نہیں ہے؛ کیوں کہ تراویح میں قرآن سنانا فرض و شعار نہیں ہے؛ بل کہ سنت ہے؛ لہذا اگر یہ ترک بھی ہو جائے، تو سنت کا ترک تو لازم آئے گا، فرض و شعار اسلامی کا ترک لازم نہیں آئے گا؛ اس لیے اس پر اجرت جائز نہیں ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اس کو اجرت کے بہ جائے ”ہدیہ“ کہا جائے تو؟
عرض ہے کہ ہدیے میں جبر و اکراہ نہیں ہوتا اور اس میں جبر ہوتا ہے؛ یہ کیسا ہدیہ ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ ہم شرط نہیں لگاتے اور بلا شرط یہ جائز ہے؛ مگر یہ بھی غلط ہے؛ کیوں کہ فقہ کا قاعدہ ہے ”المعروف کالمشروط“ کہ جو عرف میں رائج ہو، وہ ایسا ہے، جیسے شرط کیا ہوا ہو؛ لہذا جب تراویح پر دینے لینے کا رواج ہے، تو وہ شرط ہی کی طرح ہے؛ اس لیے کہ شرط نہ کرنے سے بھی یہ اجرت جائز نہیں ہوتی۔

بعض نے یہ بھی حیلہ بیان کیا ہے کہ پنج وقتہ نمازوں میں سے ایک دو وقت کی امامت بھی تراویح کے ساتھ کر لے، تو اجرت لینا درست ہے؛ مگر یہ بھی صحیح نہیں؛

(۱) قال: وقد اتفقت کلماتهم جميعاً علی التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز، ثم استثنوا بعده ما علمته فهذا دليل قاطع وبرهان ساطع علی أن المفتی به ليس هو جواز الاستنجار علی کل طاعة، بل علی ما ذکره فقط مما فيه ضرورة ظاهرة.
(الشامی: ۹/۷۶)

کیوں کہ ہر کام اس کے مقصد کے لحاظ سے صحیح یا غلط ہوتا ہے اور یہاں چوں کہ امامت مقصود نہیں؛ بل کہ تراویح میں قرآن سننا مقصد ہے، اس لیے مقصد ہی کا اعتبار کریں گے، امامت کا نہیں اور اس مقصد پر اجرت درست نہیں۔

الغرض! اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے؛ اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہیے، اس مسئلے پر تفصیلی کلام احقر کے رسالے ”منکرات رمضان“ میں دیکھا جاسکتا ہے۔^(۱)

نابالغ کی اقتداء، تراویح میں

نابالغ حافظ قرآن کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھنا درست نہیں ہے۔ تراویح میں نابالغ کی اقتداء کا مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے کہ بعض مشائخ نے اس کی اجازت دی ہے اور بعض نے اس کو نا درست قرار دیا ہے؛ لیکن صحیح اور مختار قول یہی ہے کہ ”نابالغ کی اقتداء، کسی نماز میں بھی درست نہیں۔“

صاحب ”ہدایہ“ فرماتے ہیں:

(۱) البتہ جو حافظ تراویح پر اجرت نہیں لیتے اور آمد و رفت رکھتے ہیں یا قیام و طعام بھی کرتے ہیں،

تو ان کی آمد و رفت اور قیام و طعام کے انتظام کا ذمہ، ذمہ داران مسجد پر عائد ہوگا؛ چنانچہ اس مسئلے

کی بابت، حضرت اقدس سے سوال ہوا کہ

ہماری مسجد میں ایک حافظ صاحب قرآن پاک تراویح میں سناتے ہیں اور اس پر کوئی اجرت یا ہدیہ نہیں لیتے، مگر وہ دور سے آتے جاتے ہیں اور اسکوٹر (Scooter) سے آمد و رفت کرتے ہیں، تو کیا ان کے آمد و رفت کا خرچ مسجد والوں کے ذمے ہے اور کیا یہ دینا جائز ہے؟ اس پر آپ نے تحریر فرمایا کہ

”حافظ قرآن کو آمد و رفت کا خرچ دینا، مسجد کے ذمہ داروں کی ذمہ داری

ہے اور یہ دینا بلاشبہ جائز ہے، اس کو اجرت نہیں سمجھا جائے گا۔“

”وفي التراويح والسنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ،
ولم يجوز مشايخنا. والمختار أنه لا يجوز في الصلوات
كلها. (۱)

ترجمہ: اور تراویح و سنن مؤکدہ میں ”بلخ“ کے مشائخ نے
(نابالغ کی اقتدا) کو جائز قرار دیا ہے اور ہمارے مشائخ نے اس کی
اجازت نہیں دی ہے اور مختار قول یہ ہے کہ (نابالغ کی اقتدا) تمام
نمازوں میں نادرست ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے؛ مگر صحیح اور مختار قول یہی ہے کہ
کسی بھی نماز میں نابالغ کی اقتدا درست نہیں، در مختار میں بھی اسی کو صحیح، بل کہ اصح
قرار دیا ہے۔ (۲)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے۔
چنانچہ فرماتے ہیں:

”فتویٰ اس پر ہے کہ نابالغ کے پیچھے تراویح بھی جائز نہیں، اگر
کوئی بالغ حافظ نہ ملے، تو ألم ترکیف..... وغیرہ سے مختلف
سورتیں پڑھ کر تراویح پڑھ لی جائے۔“ (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ آج جو رواج پڑ گیا کہ نابالغ بچوں سے قرآن سننے کے
شوق میں، ان کو امام بنا کر ان کی تراویح میں اقتدا کرتے ہیں، یہ غلط ہے؛ اگر بچوں کو

(۱) الهدایۃ: ۱/۳۶۹

(۲) قال: [ولا یصح اقتداء رجل بامرأة وصبي مطلقاً] ولو في جنازة ونفل علی
الأصح. (الدر المختار مع الشامی: ۲/۳۲۱)

(۳) امداد المفتیین: ۳۶۳

عادت ڈالنے یا ان کی ہمت افزائی کے لیے امام بنانا ہو، تو ان کے پیچھے نابالغ بچوں کو ہی پڑھا کہیں، اس سے ان کو عادت بھی پڑ جائے گی، ہمت بھی ہو جائے گی اور بڑے لوگ بھی ان کا قرآن سن سکیں گے۔

ٹیپ ریکارڈ (Tape recorder) کے ذریعے تراویح

بعض لوگوں کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہ کسی اچھے قاری کی نماز تراویح کی آواز ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے کیسٹ (Cassette) میں بھر کر، پھر اسی آواز کی اقتدا میں نماز تراویح ادا کرتے ہیں؛ مگر معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سراسر غلط اور فضول حرکت ہے اور اس سے نماز ادا نہیں ہوتی؛ کیوں کہ یہ ایک غیر جان دار آلہ ہے، جو اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس کی اقتدا کی جائے؛ غور کیجیے کہ جب نابالغ حافظ قرآن بچے کی اقتدا صحیح نہیں، تو غیر جان دار آلے کی اقتدا کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟!؟

پھر علما نے لکھا ہے کہ جو شخص نماز میں نہ ہو، اس کے اقتثال سے یعنی اس کے حکم پر نقل و حرکت سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ غیر جان دار آلہ، نماز سے خارج ہے، اس کے مطابق نقل و حرکت کرنا دراصل ایسی چیز کی اقتدا ہے، جو خارج نماز ہے اور اس سے اقتدا اگر بالفرض صحیح ہو بھی گئی، تو اس کے اقتثال پر نماز فاسد ہوگی؛ اس لیے یہ محض جہالت ہے کہ ایک آلے کو رکھ کر اس کے پیچھے نماز ادا کی جائے۔

ٹی۔وی (T.V) سے تراویح کی نماز

یہی حکم ٹی۔وی کا بھی ہے کہ یہ ایک غیر جان دار آلہ ہے، اس کی اقتدا بھی درست نہیں ہو سکتی؛ لہذا اگر کسی جگہ کی نماز تراویح ٹی۔وی کے پردے پر دکھائی جائے اور کوئی اس کو دیکھ کر اس کی اقتدا کرے، تو یہ درست نہیں ہے۔

اگر کوئی یوں کہے کہ ہم اقتدا تو مثلاً کعبۃ اللہ کے امام کی کر رہے ہیں، یہ محض واسطہ ہے، جیسے لوڈ اسپیکر (Loudspeaker) کا واسطہ ہوتا ہے؟ تو یہ بھی صحیح نہیں؛ کیوں کہ حسب تصریح فقہاء، امام و مقتدی کا ایک ہی مکان میں ہونا اقتدا کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، ورنہ اقتدا صحیح نہ ہوگی۔

”نور الإيضاح“ میں ہے:

”وَأَنْ لَا يَفْصَلَ بَيْنَ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ صَفٍ مِنَ النِّسَاءِ،
وَأَنْ لَا يَفْصَلَ نَهْرٌ يَمُرُّ فِيهِ الزُّوْرُقُ وَلَا طَرِيقٌ تَمْرُفِيهِ
الْعَجَلَةُ. (۱)“

ترجمہ: اقتدا کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان عورتوں کی صف فصل نہ کرے اور یہ کہ کوئی ایسی نہر بھی فصل نہ کرے، جس میں چھوٹی کشتی چل سکے یا ایسا راستہ بھی نہ ہو، جس میں گاڑی چل سکے۔

”الدر المختار“ میں ہے:

قال: صلاة المؤتم بالامام بشرط عشرة واتحاد
مكائهما وصلاتهما. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ امام و مقتدی کے درمیان اگر ایک گاڑی کا یا ایک نہر کا راستہ بھی حائل ہوگا، تو اقتدا صحیح نہ ہوگی، اب ٹی۔ وی دیکھنے والے اور ٹی۔ وی پر نشر ہونے والی نماز کے امام پر غور کرو کہ ان دونوں میں کتنے راستے، کتنی نہریں حائل ہیں، پھر یہ اقتدا کیسے صحیح و درست ہوگی؟

(۱) نور الإيضاح مع مراقي الفلاح: ۱۰۸-۱۰۹

(۲) الدر المختار مع الشامی: ۲/۲۸۲-۲۸۵

البتہ اگر امام و مقتدی کا مکان (جگہ) ایک ہو، درمیان میں ایسی کوئی چیز حائل نہ ہو اور امام کی اقتدا کی نیت سے نماز پڑھ لی جائے اورئی۔ وی کو محض واسطہ خیال کرے، تو نماز صحیح ہو جائے گی، جیسے سنا گیا کہ کعبۃ اللہ میں امام کی نقل و حرکت کے مشاہدہ کرنے کے لیے ایسا انتظام کیا گیا ہے، تو یہ درست ہے؛ مگر چوں کہ نماز میں نمازی کے سامنے دائیں بائیں، پیچھے یا اوپر تصاویر کا ہونا، مکروہ ہے؛ اس لیے اس سے اگرچہ نماز صحیح ہو جائے گی، مگر مکروہ ہوگی۔

”نور الإيضاح“ میں ہے:

”وَأَنْ يَكُونَ فَوْقَ رَأْسِهِ أَوْ خَلْفَهُ أَوْ بَيْنَ يَدَيْهِ أَوْ بِحِذَائِهِ

صورة“ (۱)

ترجمہ: (مکروہ ہے) کہ نمازی کے سر کے اوپر یا اس

کے پیچھے یا اس کے سامنے یا اس کے بازو کوئی تصویر ہو۔

اس لیے اس صورت سے بھی احتراز کرنا چاہیے؛ تاکہ نماز مکروہ و ناقص نہ

ہو جائے۔

گھروں میں باجماعت تراویح پڑھنا

نماز تراویح کے بارے میں علماء ائمہ کا اختلاف ہے کہ وہ مسجد میں افضل ہے یا گھر میں؟

جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ نماز تراویح مسجد میں باجماعت کے ساتھ پڑھنا

افضل ہے۔ (۲)

(۱) نور الإيضاح مع المراقبي: ۱۳۲

(۲) قال: ولأن الاجتماع على واحد أنشط لكثير من المصلين، وإلى قول

عمر جندب الجمهور. (فتح الباري: ۵/۲۴۷)

اس لیے بہتر یہی ہے کہ تراویح کی نماز مسجد میں ادا کی جائے؛ لیکن اگر کوئی گھر میں پڑھ لے، تو کوئی گناہ نہیں؛ البتہ جمہور مذہب پر مسجد کی جماعت کی فضیلت اس کو حاصل نہ ہوگی۔ (۱)

اور جن علما کے نزدیک گھر میں تراویح پڑھنا افضل ہے، ان کے مذہب پر یہی افضل ہوگا؛ مگر جمہور کے مذہب کے خلاف کرنا اچھا نہیں؛ البتہ اگر کسی مصلحت دینیہ کے پیش نظر گھر میں جماعت بنا کر تراویح پڑھی جائے، تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے؛ مثلاً بچوں اور بیوی و دیگر گھر کی عورتوں کو تراویح کی عادت ڈالنے یا ان کی سہولت کی خاطر ایسا کر لے، تو مضائقہ نہیں؛ کیوں کہ بہت سے حضرات سلف صالحین سے منقول ہے کہ وہ گھر پر ہی تراویح پڑھتے تھے، مثلاً حضرت عروہ، حضرت قاسم، حضرت سالم، حضرت نافع وغیرہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں امام طحاوی رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے کہ وہ مسجد سے (فرض عشا) کے بعد لوٹ جاتے تھے اور لوگوں کے ساتھ مسجد میں نماز تراویح نہیں پڑھتے تھے۔ (۲)

اس لیے اگر دینی مصلحت کی پیش نظر گھر میں جماعت بنائی جائے، تو کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن سستی کی وجہ سے ایسا نہ کرنا چاہیے، تا کہ جمہور کی مخالفت لازم نہ آئے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ تراویح گھر میں پڑھنا ہو، تو بھی عشا کی نماز جماعت سے مسجد میں پڑھنا چاہیے۔

(۱) قال: أما لو تخلف عنها رجل من أفراد الناس وصلى في بيته فقد ترك الفضيلة، وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل الجماعة.

(رد المحتار: ۲/۴۹۵)

(۲) شرح معاني الآثار: ۱/۳۵۰-۳۵۱

تراویح کے لیے عورتوں کا مسجد میں آنا

آج کل بہت سی مساجد میں عورتوں کے لیے تراویح کا انتظام کیا جاتا ہے؛ مگر یہ رواج علمائے حنفیہ کی تصریحات کے خلاف، نیز احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے مسجد کے بہ جائے ان کے گھر کو افضل قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی نماز گھر کے اندر (والان) میں افضل ہے، اس کی نماز سے جو صحن میں ہو اور اس کی نماز اندر کی کوٹھری میں بہتر ہے، اس کی نماز سے، جو والان میں ہو۔^(۱)

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ عورت کے لیے اپنے گھر سے بہتر نماز کی کوئی جگہ نہیں؛ مگر حج و عمرے میں (کہ وہاں مسجد میں پڑھنا بہتر ہے) سوائے اس عورت کے، جو شوہر سے مایوس ہو گئی ہو (یعنی بوڑھی ہو، تو وہ مسجد میں پڑھ سکتی ہے)۔^(۲)

(۱) عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها و صلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها.
(أبو داود: ۸۵/۱، الرقم: ۵۷۰، السنن الكبرى للبيهقي: ۱۸۸/۳، الرقم: ۵۳۶۱، المستدرک للحاکم: ۳۱۵/۱، الرقم: ۷۶۰)

(۲) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أنه كان يحلف، فيبلغ اليمين، ما من مصلی للمرأة خير من بيتها إلا في حج أو عمرة إلا امرأة قد ينست من البعولة وهي في منقلبها، قلت: ما منقلبها؟ قال: امرأة عجوز قد تقارب خطوها.
(مجمع الزوائد: ۱۵۶/۲، الرقم: ۲۱۱۴، السنن الكبرى للبيهقي: ۱۸۸/۳، الرقم: ۵۳۶۲، مصنف عبد الرزاق: ۱۵۰/۳، الرقم: ۵۱۱)

یہ اس دور کی بات ہے، جب کہ عورتوں میں شرم و حیا پردے و حجاب کا کامل اہتمام تھا؛ پھر اس کے بعد شرم و حیا کی کمی اور پردے میں کوتاہی ہونے لگی، تو صحابہ کرام نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا اور منع فرما دیا۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے (جو مزاج شناس رسول تھیں) فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو دیکھتے، جو عورتوں نے (بے پردگی وغیرہ کی) پیدا کر لی ہیں، تو مسجد میں آنے سے ان کو ضرور منع فرما دیتے، جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔ (۱)

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دور کے حالات کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے، تو غور کریں کہ موجودہ حالات میں ان کا کیا فتویٰ ہوتا؟ اس بنا پر فقہائے حنفیہ نے مطلقاً عورتوں کو منع کر دیا کہ وہ مسجد میں نہ آئیں، جیسا کہ فقہ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے؛ البتہ بہت ہی بوڑھی عورت کو اجازت دی ہے۔ (۲)

(۱) عن عمرة بنت عبد الرحمن رضی اللہ عنہا أنها سمعت عائشة زوج النبي صلی اللہ علیہ وسلم تقول: لو أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رأى ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل، قال: قلت لعمرة: أنساء بني إسرائيل منعن المسجد؟ قالت: نعم!

(المسلم: ۱۸۸، الرقم: ۴۴۵، أبو داود: ۸۵، الرقم: ۵۶۹، مصنف عبد الرزاق: ۱۴۹/۳، الرقم: ۵۱۱۲)

(۲) قال: ويكره لهن حضور الجماعات، يعني الشواب منهن لما فيه من خوف الفتنة، ولا بأس للعجوز أن تخرج في الفجر والمغرب والعشاء، وهذا عند أبي حنيفة، وقالوا: يخرجن في الصلوات كلها. (الهداية: ۳۷۴/۱)

قال: [ويكره حضورهن الجماعة مطلقاً] ولو عجزوا ليلاً [على المذهب] المفتى به. (الدر المختار مع الشامى: ۳۰۷/۲).....

لہذا تراویح کے لیے عورتوں کو مسجد میں نہ آنا چاہیے، اس سے پرہیز کرنا ہی احتیاط کا مقتضی ہے، اس مسئلے پر تفصیل، احقر نے اپنے ایک رسالے میں پیش کی ہے جس کا نام ہے ”عورت کی نماز، حدیث و فقہ کی روشنی میں“۔



.....وقال ولا يحضرن الجماعات؛ لأنه لا يومن الفتنة من خروجهن ، أطلقه فشمّل الشابة والعجوز والصلاة النهارية والليلية . قال المصنف في الكافي: والفتوى اليوم على الكراهة في الصلاة كلها لظهور الفساد. (البحر الرائق: ۱/ ۶۲۷-۶۲۸)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صدقہ فطر و فدیہ

صدقہ فطر کی مقدار، گرام (Gram) کے حساب سے

صدقہ فطر کی مقدار کے سلسلے میں اصل یہ ہے کہ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو دے جائیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بخاری میں مروی ہے۔^(۱)
پھر حضرات صحابہ و علما نے دوسرے اناجوں میں سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو کی قیمت کے برابر دینے کو جائز قرار دیا ہے؛ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک صاع جو یا کھجور سے موازنہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ ”میرے خیال میں گیبوں کا ایک مد و مند کے برابر ہے۔“^(۲)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نصف صاع گیبوں، ایک صاع جو یا کھجور کے برابر ہے؛ کیوں کہ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے۔

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فرض زكاة الفطر، صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير على كل حر أو عبد، ذكر أو أنثى من المسلمين.
(البخاري: ۲۹۳، الرقم: ۱۵۰۴، المسلم: ۳۷۹، الرقم: ۹۸۴)

(۲) عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ قال: كنا نعطيهما في زمان النبي صلی اللہ علیہ وسلم صاعاً من طعام، أو صاعاً من تمر، أو صاعاً من شعير، أو صاعاً من زبيب، فلما جاء معاوية رضی اللہ عنہ، وجاءت السمراء، قال: أرى مداً من هذا يعدل مدين.
(البخاري: ۲۹۴، الرقم: ۱۵۰۸، المسلم: ۳۸۰، الرقم: ۹۸۵)

جیسا کہ شامی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے۔ (۱)

جب آپ ﷺ کے خیال میں ایک مد گیہوں دو مد کھجور کے برابر ہیں، تو دو مد گیہوں چار مد کھجور یا جو کے برابر ہوئے اور دو مد کا آدھا صاع اور چار مد کا ایک صاع ہوتا ہے؛ لہذا اکثر علما نے اسی کے مطابق صدقہ فطر کی مقدار میں یہ لکھا ہے کہ کھجور یا جو دینا ہو، تو ایک صاع اور گیہوں دینا ہو، تو آدھا صاع دینا ہوگا۔ (۲)

پھر جب علما نے دیکھا کہ مد، صاع، رطل وغیرہ شرعی و فقہی اوزان و پیمانے رواج پذیر نہ رہے اور ان کی جگہ تولہ، ماشہ، سیر و چھٹانک وغیرہ جدید پیمانوں و اوزان نے لے لی ہے، تو انہوں نے نہایت تحقیق و کاوش سے قدیم پیمانوں اور اوزان کو ان جدید اوزان و پیمانوں (جو ہمارے لحاظ سے قدیم ہو چکے ہیں) میں تبدیل کیا اور لوگوں کے لیے سہولت و آسانیاں پیدا فرمادیں؛ چنانچہ اس مسئلے پر سب سے زیادہ محقق و مفصل رسالہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ نے ”اوزان شرعیہ“ کے نام سے لکھا ہے، جو آپ کے مجموعہ رسائل ”جواہر الفقہ“ میں شامل ہے اور اس کی بڑے بڑے اکابر علما نے تقریظ کی اور تعریف فرمائی ہے؛ اس رسالے میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ نے بڑی لمبی بحث فرمائی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) قال: [نصف صاع] فاعل يجب [من بر أو دقيقه أو سويقه أو زبيب] بأن يعطي نصف صاع دقيق بر أو صاع شعير يساويان نصف صاع بر و صاع شعير. (الدر المختار مع الشامی: ۳/۳۱۸-۳۱۹)

(۲) (الهدایة: ۲/۲۳۵، نور الإيضاح مع المراقی: ۲۶۳، بدائع الصنائع: ۲/۵۴۰، مجمع الأنهر: ۱/۳۳۷، فتاویٰ عالمگیری: ۱/۲۱۰، الشامی: ۳/۳۱۸، البحر الرائق: ۲/۴۴۱، القدوری: ۶۱، الاختیار لتعلیل المختار: ۱/۱۲۳)

صاع کی مقدار، مثقال کے حساب سے تین سیر چھ چھٹانک ہے اور آدھے صاع کی مقدار ڈیڑھ سیر تین چھٹانک ہے اور درہم کے حساب سے صاع کی مقدار تین سیر چھ چھٹانک تین تولہ اور نصف صاع کی مقدار ڈیڑھ سیر تین چھٹانک ڈیڑھ تولہ ہے اور بہ حساب مد صاع کی مقدار ساڑھے تین سیر، چھ ماشہ اور نصف صاع کی مقدار پونے دو سیر تین ماشہ ہوتی ہے، ان تینوں مقداروں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے؛ مگر چوں کہ آخری مقدار میں آدھا سیر زیادہ بتایا گیا ہے؛ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ صدقہ فطر میں اسی کے لحاظ سے نکالا جائے؛ یعنی گیہوں دینا ہو، تو پونے دو سیر تین ماشے کے حساب سے دینا چاہیے، اسی میں احتیاط ہے اور بجز وغیرہ دینا ہو، تو اس کا دو گنا یعنی ساڑھے تین سیر، چھ ماشہ دینا چاہیے۔^(۱)

مگر اب مشکل یہ ہے کہ تولہ، ماشہ، سیر اور چھٹانک کا زمانہ بھی ختم ہو گیا اور اب ہم اس قابل ہی نہ رہے کہ ان چیزوں سے حساب کر سکیں؛ بل کہ یہ الفاظ عام طور پر غیر مانوس اور اس سے حساب و کتاب تقریباً مفقود ہو گیا ہے اور اس کی جگہ گراموں (Gram) کا حساب رائج ہو گیا ہے اور بہ قول میرے استاذ ”حضرت مولانا مفتی مہربان علی صاحب رحمۃ اللہ“:

”آج کل چوں کہ میٹرک اوزان اور پیمانوں کا عام رواج ہو گیا ہے؛ اس لیے کسی وزن کو تولے، ماشے سے سمجھنا بھی اب اتنا آسان نہ رہا؛ جتنا کہ کلوگرام اور ملی گرام اور کلو میٹر وغیرہ سے سمجھنا اور سمجھانا سہل ہو گیا۔“^(۲)

(۱) جواہر الفقہ: ۱/ ۴۲۷

(۲) امداد الاوزان: ۲/ ۱

اس لیے اب علما کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ان شرعی اوزان کو کلو گرام، ملی گرام وغیرہ میں منتقل کیا جائے۔

یہ بات معلوم و مسلم ہے کہ ایک سیر ”۹۳۳/گرام، ۱۲۰/ ملی گرام“ کے برابر ہوتا ہے اور ایک ماشہ ”۹۷۲/ ملی گرام“ کا ہوتا ہے، اس حساب سے پونے دو سیر، تین ماشہ کو گراموں میں تبدیل کرنے سے گیہوں کے حساب سے ایک صدقہ فطر کی صحیح مقدار ”ایک کلو ۶۳۵/گرام، ۸۷۲/ ملی گرام“ ہوتی ہے اور مزید احتیاط کے لیے بہتر ہے کہ ”ایک کلو ۷۵۰/گرام“ دے دیا جائے؛ یعنی پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت دے دی جائے۔ میرے استاذ مولانا مہربان علی بڑوٹوی رحمۃ اللہ نے بھی ”امداد الاوزان“ میں یہی تحقیق فرمائی ہے۔

اگر کوئی اس سے زیادہ دے دے، تو جائز ہے؛ البتہ واجب وہی مقدار ہے، جس کا ابھی ذکر کیا گیا؛ یہ مقدار گیہوں کی بیان کی گئی ہے اور اگر جو یا کھجور دینا ہو، تو اس کا دو گنا (Double) دینا چاہیے، یعنی ”ساڑھے تین کلو“ اور ان مذکورہ چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز مثلاً: چاول دینا ہو، تو یا تو پونے دو کلو گیہوں یا ساڑھے تین کلو جو کی قیمت کے برابر چاول وغیرہ دینا چاہیے۔

اس لیے اگر پونے دو کلو گیہوں یا ان کی قیمت دی جائے، تو بہتر اور احتیاط ہے، ورنہ ایک کلو ۶۳۶ گرام گیہوں یا ان کی قیمت دے دیں، صدقہ فطر ادا ہو جائے گا اور یہ مقدار گیہوں کی ہے، اگر جو یا کھجور دینا ہو، تو اس کا دو گنا دینا ہوگا؛ یعنی احتیاط پر عمل کرنے میں ساڑھے تین کلو، ورنہ تین کلو ۷۵۰ گرام یا اس کے برابر قیمت۔

روزے کے فدیے کی مقدار

جن صورتوں میں روزے کے بہ جائے فدیہ دے دینا جائز ہے، ان میں علما

نے تصریح کی ہے کہ ایک روزے کا فدیہ ایک فطرے کے برابر ہے۔^(۱)

لہذا موجودہ حساب کی رو سے اگر کوئی روزے کا فدیہ دینا چاہے، تو صدقۃ فطر کی جو مقدار اوپر لکھی گئی ہے، وہی دینا ہوگا؛ یعنی ایک روزے کے بدلے پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت یا ساڑھے تین کلو جو یا کھجور یا اس کی قیمت دینا ہوگا اور یہ احتیاطاً ہے، ورنہ ایک کلو ۶۳۶ گرام گیہوں یا اس کی قیمت یا تین کلو ۷۲ گرام جو یا کھجور یا اتنی قیمت دے دینا کافی ہوگا۔

صدقۃ فطر سیدوں کو دینا

صدقۃ فطر صرف ان لوگوں کو دینا جائز ہے، جن کو زکات دی جاسکتی ہے اور جن کو زکات دینا جائز نہیں، ان کو صدقۃ فطر دینا بھی جائز نہیں اور یہ معلوم ہے کہ سید، (باشی) کو زکات دینا جائز نہیں؛ اس لیے صدقۃ فطر بھی ان کو نہیں دیا سکتا، جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی تصریح کی ہے۔^(۲)

اگر موجودہ دور میں جب کہ محتاج سیدوں کو اس کے سوا چارہ نہیں رہا کہ وہ زکات و صدقات وصول کر کے اپنا گزارہ کریں، کیا اس حکم میں کسی ترمیم کی گنجائش ہے؟ اس سلسلے میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ جائز ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

- (۱) قال: الفدية لكل يوم نصف صاع من بر. (نور الإيضاح مع مراقي: ۲۵۲)
- قال: والشيخ الفاني الذي لا يقدر على الصيام يفطر و يطعم لكل يوم مسكيناً نصف صاع من بر أو صاعاً من تمر أو شعير. (الهداية: ۲/۲۰۰)
- (۲) قال: [مصرف الزكاة والعشر] وهو أيضا مصرف لصدقۃ الفطر، فقال: [لا تصرف..... إلى بني هاشم] [الدر المختار مع الشامي: ۲۸۳/۳، ۲۹۹]

”و روی أبو عصمة عن الإمام رحمۃ اللہ علیہ أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه ؛ لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم لإهمال الناس أمر الغنائم و إيصالها إلى مستحقيها، وإذا لم يصل إليهم العوض عادوا إلى المعوض، كذا في البحر“ (۱)

ترجمہ: ابو عصمہ نے بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے میں ہاشمی کو (زکات) دینا جائز قرار دیا ہے؛ کیوں کہ زکات کا عوض؛ یعنی غنیمت کا خمس الخمس ان لوگوں تک نہیں پہنچا؛ کیوں کہ لوگ اموال غنیمت میں اور اس کو مستحقین تک پہنچانے میں ڈھیل برت رہے ہیں، جب ان کو عوض نہ پہنچا، تو معوض یعنی زکات ملنا چاہیے۔

حضرت مولانا عبد الوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی ”باقیات الصالحات، ویلور“ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۲)

اور حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو نقل فرما کر کہا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ (۳)

مگر ہمارے علمائے تصریح کی ہے کہ یہ قول معمول بہ نہیں ہے، مفتی بہ و معمول بہ یہی ہے کہ سید کو زکات و صدقات واجبہ دینا جائز نہیں، ہی ظاہر الروایۃ ہے۔ (۴)

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۲۹۹/۳

(۲) فتاویٰ باقیات الصالحات: ۹۴

(۳) شرح معانی الآثار: ۱۱/۲

(۴) إعلاء السنن: ۸۱/۹، البحر الرائق: ۲۳۷/۲

وجہ اس کی یہ ہے کہ سیدوں کو اس سے احتراز کا حکم اس لیے ہے کہ زکات و صدقات واجبہ لوگوں کا میل کچیل ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اس سے بچائے رکھنا چاہتا ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو روکے رکھو؛ کیوں کہ صدقات، لوگوں کا غسالہ و میل کچیل ہے۔ (۱)

اور یہ وجہ حرمت ہر زمانے میں موجود ہے؛ اس لیے سیدوں کو زکات و فطرہ نہ دینا چاہیے اور ان کو لینا بھی نہیں چاہیے اور خمس الخمس کو جو زکات و صدقات کا عوض بتایا گیا ہے، جیسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے اوپر منقول ہوا، اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اب موجودہ حالات میں ان کو زکات دینا درست ہے؛ کیوں کہ اس سے صرف یہ ثابت ہوا کہ زکات و صدقات سے ان کو محروم کر کے، ان کے لیے دوسرا راستہ کھولا گیا تھا، اب یہ راستہ بند ہو گیا ہے، تو اس کا دوسرا طریقہ ڈھونڈھنا چاہیے، یہ نہیں کہ جس چیز سے ان کو بچا کر رکھنے ہی کے لیے ان کو خمس الخمس دیا جاتا تھا، اسی راستے کو کھول دینے اور اسی میں ان کو منوث کرنے کی کوشش کی جائے۔

الغرض! زکات کی طرح فطرہ بھی سیدوں کو نہیں دینا چاہیے اور نہ ان کو لینا چاہیے، اگر قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احساس ہے، تو دینے والوں کو چاہیے کہ دوسرے اچھے مال سے ان کی خدمت کر کے ماجرہ ہوں۔ (۲)

(۱) کنز العمال عن الطبرانی کذا فی إعلاء السنن: ۹/۷۹

(۲) اسی مسئلے کے تعلق سے حضرت والا نے حسب روایت نہایت محقق و مدلل اور بہت متوازن و معتدل تحریر حال ہی میں سپر پترطاس فرمائی ہے، تحقیق پسند احباب کی خدمت میں یہ عمل تحریر درج ذیل کی جاتی ہے:

اور علامہ نووی، شافعی رحمۃ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ

” فالزکاة حرام علی بنی ہاشم و بنی المطلب بلا خلاف ،
إلا ما سبق فیما إذا کان أحدہم عاملاً والصحیح تحریمہ“.

(المجموع شرح المہذب: ۵/۲۲۷)

ان کے علاوہ علامہ عبدالرحمن ابن قدامہ رحمۃ اللہ نے الشرح الکبیر (۲/۷۱۰) میں اور
البہوتی نے کشف القناع (۵/۴۱۱) میں سیدوں پر زکات کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے،
اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ سیدوں کے گزر معاش کا مسئلہ کیسے حل ہو؟ تو یہ مسئلہ آج کا نہیں؛ بل کہ پہلے ادوار
میں بھی زیر بحث آچکا ہے اور خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی روایت اس کا پتہ دیتی ہے۔ اُس دور
میں بھی سیدوں کے سلسلے میں یہ مسئلہ زیر غور آیا ہے، امام صاحب کی ایک روایت تو اس بارے میں
یہی ہے کہ اب سیدوں کو زکات دینا جائز ہے اور اس کی وجہ انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ پہلے
سیدوں کو مال غنیمت میں سے ”شمس“ یعنی پانچواں حصہ دیا جاتا تھا اور یہ بہ طور حق قرابت رسول
ان کو ملتا تھا؛ مگر جب لوگوں نے مال غنیمت کے سلسلے میں کوتاہی کی اور سیدوں کو ان کا حصہ دینے
سے پہلو تہی کی، تو ان کو زکات کی مدد سے دینا جائز ہے۔

(البحر الرائق: ۲/۲۶۶، الشامی: ۲/۳۵۰)

لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ کا مذہب، جس پر اصحاب متون نے اتفاق کیا ہے اور اس کو اپنے
متون میں درج کرنے کا اہتمام کیا ہے، وہ یہی ہے کہ سیدوں کو کسی حال میں زکات دینا، جائز نہیں اور
امام صاحب رحمۃ اللہ کی اس دوسری روایت کو فقہانہ نے ضعیف قرار دے کر رد کیا ہے اور اکثر اصحاب
متون نے اس کا ذکر تک نہیں کیا ہے اور بعض نے صاف طرح سے اس روایت کے رد کی جانب اشارہ
کیا ہے۔ اور مذہب اسی کو قرار دیا ہے کہ سیدوں کو کسی حال میں بھی زکات دینا جائز نہیں۔

ہاں! شوافع میں سے ”علامہ ابوسعید اصطرخی“ کہتے ہیں کہ

زکات سے سیدوں کو اس لیے محروم کیا گیا تھا کہ ان کو مال غنیمت کا ٹکس دیا جاتا تھا، جب ان کو اس میں سے نہیں ملتا ہے، تو ان کو زکات دینا واجب ہے۔ مگر خود حضرات شوافع نے اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ مذہب شوافع تو یہی ہے کہ سیدوں کے لیے زکات جائز نہیں، کیوں کہ زکات کا ان کے حق میں حرام ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت کی وجہ سے ہے اور یہ علت ان کو ٹکس نہ دیے جانے سے زائل نہیں ہو جاتی۔

(التبہ لأبي إسحاق الشيرازي : ۵۲/۱، المہذب: ۱۷۴/۱، المجموع لشرح المہذب: ۶/۲۲۷، حلیۃ العلماء للفقہاء: ۵۴/۳)

البتہ اکثر مالکیہ نے یہ لکھا ہے کہ اگر سیدوں کو ان کا بیت المال سے حصہ نہ پہنچے اور اس کی وجہ سے فقر و فاقہ ان کو مجبور کر دے، تو ان کو زکات دینا جائز ہے۔ علامہ خرشی نے ”مختصر خلیل“ کی شرح میں اور علامہ دسوقی نے ”الشرح الكبير“ کے حاشیے میں، علامہ صاوی نے ”بلغة السالک“ میں لکھا ہے کہ

”محل عدم إعطاء بني هاشم إذا أعطوا ما يستحقونه من بیت المال فإن لم يعطوه و أضربهم الفقر أعطوا منها ، و إعطاؤهم حينئذ أفضل من إعطاء غیرهم“۔

(شرح الخلیل للخرشی: ۶/۳۳۹، الدسوقی علی الشرح الكبير: ۴/۲۷۰، بلغة السالک: ۱/۲۲۷)

لیکن اسی کے ساتھ علامہ باجی مالکی رحمہ اللہ نے یہ قید بھی لگائی کہ یہ جواز اس وقت ہے کہ اضطراب یہاں تک پہنچادے کہ مردار کا کھانا اس کو جائز ہو جائے، تو اس کے لیے زکات جائز ہے، اس شرط کو بعض فقہائے مالکیہ نے قبول کیا اور فرمایا کہ یہی ظاہر و متعین ہے اور بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے، جیسا کہ اوپر کے حوالوں سے معلوم ہو سکتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بہت سے مالکیہ کے یہاں بھی جواز ایک شرط سے مشروط ہے کہ حالت اضطرار ہو، ورنہ سیدوں کو زکات دینا ان کے یہاں بھی جائز نہیں ہے؛ ہاں بعض نے صرف حاجت کی وجہ سے بھی جائز قرار دیا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ حنفیہ، شافعیہ و حنبلیہ تو مطلقاً عدم جواز کے قائل ہیں اور یہاں کا اصل مذہب ہے اور جو امام ابو حنیفہ اور علامہ اصطرخی سے دوسری روایت جواز کی مروی ہے، اس کو حنفیہ و شافعیہ نے رد کر دیا ہے اور مالکیہ کے اکثر فقہانے اگرچہ موجود حالات میں خمس نہ ملنے کی وجہ سے ان کو زکات دینے کا جواز اختیار کیا ہے؛ مگر اس شرط سے کہ اضطرار پیدا ہو جائے اور اس کی وجہ سے مردار کھانا اس کو حلال ہو اور میں سمجھتا ہوں کہ اس شرط کے ساتھ سبھی علما کے نزدیک سیدوں کو زکات دینا جائز ہوگا؛ کیوں کہ جب مردار کھانا ہی حلال ہو جائے، تو زکات کھانے میں کیا حرج ہو سکتا ہے، تو یہ ایک انتہائی مجبوری کی صورت کا حکم ہے۔

الغرض! اس روایت کی بنیاد پر فقہانے جواز کو اختیار نہیں کیا؛ بل کہ ضرورت ہونے کے باوجود اس کو رد کیا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ زکات کا ان کے حق میں منع ہونا، دراصل قرابت رسول و شرافت رسول کی وجہ سے ہے اور یہ بات ہر حال میں موجود ہے؛ لہذا جب علت منع موجود ہے، تو حکم بھی موجود باقی ہے۔

اب رہا یہ کہ لوگ سیدوں کو دوسرے مدات سے نہیں دیتے، تو اس کے لیے ترغیب و تشویق دلانے کا اہتمام کرنا چاہیے اور بار بار توجہ دلانا چاہیے، آخر سوچنے کی ضرورت ہے کہ یہی امت تو آج مدارس اسلامیہ اور مساجد کے لیے کروڑ ہا روپیہ خرچ کر رہی ہے اور ان کی تعمیرات پر خوب لگا رہی ہے اور یہ غیر زکات سے ہی خرچ کیا جا رہا ہے، تو کیا اگر لوگوں کو ترغیب دی جائے، تو لوگ ان پر خرچ نہیں کریں گے؟ لہذا بندے کے نزدیک ان حالات میں بھی سیدوں کو زکات کا جواز صحیح نہیں ہے۔

صدقہ فطر میں نوٹ دینا

یہ بات مسلم و معلوم ہے کہ نوٹ خود مال نہیں ہے؛ بل کہ یہ دراصل اس مال کی سند اور چیک ہے، جو بہ ذمہ گورنمنٹ ہے؛ اسی لیے اگر جلی کٹی نوٹ بتائی جائے، تو بھی پورا مال مل جاتا ہے؛ الغرض نوٹ مال نہیں؛ بل کہ مال کی سند ہے اور صدقہ فطر اور دوسرے صدقات واجبہ میں یہ ضروری ہے کہ مستحق محتاج کو صدقے کے مال کا مالک بنا دیا جائے، اگر اس کو مال کا مالک نہ بنایا گیا، تو زکات و فطرہ وغیرہ ادا نہ ہوں گے۔

اس حکم کے پیش نظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کل نوٹوں کا رواج بہت ہو گیا ہے اور بسا اوقات مہینوں تک روپیہ دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آتی؛ بل کہ سارا کام و کاروبار نوٹ پر ہی چلتا رہتا ہے اور جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، نوٹ خود مال نہیں؛ لہذا اگر نوٹ کے ذریعے صدقہ فطر دیا جائے، تو ظاہر ہے کہ مال نہیں؛ بل کہ مال کی سند اس کو دی گئی ہے، تو کیا اس صدقہ فطر دینے والے کا صدقہ ادا نہ ہوگا؟

اس سلسلے میں علما کا اختلاف ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ وغیرہ نے زکات اور دیگر صدقات واجبہ کے نوٹ سے ادا کرنے پر یہ بیان کیا ہے کہ زکات و صدقہ ادا نہ ہوگا؛ تا وقتے کہ وہ صدقہ لینے والا شخص اس نوٹ کو نقد (CASH) نہ کرا لے، جب وہ نقد کرا لے گا، تو ادا ہو جائے گی؛ ورنہ اگر خدانہ خواستہ نوٹ نقد کرانے سے پہلے گم ہو جائے، تو زکات و صدقہ ادا ہی نہ ہوگا۔^(۱)

(۱) چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ سے استفادہ کیا گیا کہ زکات میں نوٹ دینے سے زکات ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

تو آپ نے فتویٰ دیا کہ.....

صدقہ فطر میں کنٹرول ریٹ (Control Rate)

کا اعتبار نہیں

شہروں میں حکومت کی طرف سے کنٹرول ریٹ (Control Rate) پر لوگوں کی سہولت کے لیے اناج غلہ دیا جاتا ہے اور اس سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جو راشن کارڈ (Ration Card) اپنے پاس رکھتے ہیں، کنٹرول ریٹ پر دیا جانے والا اناج و غلہ بازاری عام قیمت کے لحاظ سے بہت ارزاں و سستا ہوتا ہے، اس صورت حال میں سوال پیدا ہونا طبعی بات ہے کہ صدقہ فطر میں گیہوں کی کوئی قیمت کا اعتبار کیا جائے؟ بازاری عام قیمت کا یا کنٹرول ریٹ کا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عام بازاری قیمت کا اعتبار ہوگا، کنٹرول ریٹ (راشن) کا کوئی اعتبار نہیں؛ کیوں کہ شریعت کا مقصود یہ ہے کہ نصف صاع (یعنی پونے دو کلو) گیہوں مسکین کو پہنچ جائے یا اگر قیمت دی جائے، تو اس قیمت سے وہ بازار سے اگر چاہے، تو اتنی گیہوں خرید سکے اور یہ ظاہر ہے کہ راشن کارڈ، ہر کسی کے پاس ہونا تو ضروری نہیں؛ لہذا بازار سے خریدنے کے لیے عام بازاری قیمت دینا چاہیے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

”قیمت ادا کرنی ہو، تو بازاری دام سے ادا کرنی ہوگی، کنٹرول (راشن) کی قیمت معتبر نہیں، فقیر کے ہاتھ میں اتنی رقم پہنچنی چاہیے کہ اگر وہ اس کے گیہوں خریدنا چاہے، تو پونے دو کلو گیہوں بازار میں مل جائیں، کنٹرول (راشن) کے حساب سے قیمت دی جائے گی، تو بازار سے اتنی گیہوں نہیں ملیں گے۔“ (۱)



حضرت اقدس کی جملہ کتابیں مفت ڈاؤن لوڈ کرنے اور دیگر مزید گراں قدر
معلومات کے اضافہ کیلئے ہماری ویب سائٹ پر وزٹ کیجئے۔

www.muftishuaibullah.com



MAKTABA MASEEHUL UMMAT DEOBAND

Minara Market, Near Masjid-e-Rasheed, DEOBAND - 247554

Mobile: + 91-9634830797 / + 91- 8193959470

MAKTABA MASEEHUL UMMAT BANGALORE

84, Armstrong Road, Bangalore - 560 001 Mobile : +91-9036701512

E-Mail: maktabahmaseehulummat@gmail.com